ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

14تا20 فروری 2008ء/6تا12 صفر المظفر 1429ھ

www.tanzeem.org

سرمایہ داری نہیں، سرمایہ کاری

اسلام یہ تو چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری ہو مگر وہ سرمایہ داری کو باقی رکھنے کا روادار نہیں۔ مغربی معیشت سرمایہ کاری پر مبنی ہے۔ لیکن جب اس میں سود شامل ہو جاتا ہے تو سرمایہ کاری، سرمایہ داری بن جاتی ہے۔ سرمایہ کاری تو یہ ہے کہ آؤ کام کرو، سرمایہ لگاؤ اور تجارت کرو، لیکن تم کو سرمایہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ سرمایہ داری یہ ہے کہ محض سرمایہ کو نفع اندوزی کا ذریعہ بنایا جائے۔ محنت بھی نہ کی جائے اور نقصان میں شرکت بھی نہ کی جائے۔ اس کا نتیجہ دولت کے ارتکاز کی صورت میں نکلتا ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا ہے کہ ”ایسا نہ ہونا چاہئے کہ سرمایہ صرف دولت مندوں ہی کے درمیان گردش کرتا رہے“۔ (الحشر: 7) کیونکہ اس طرح طبقاتی تقسیم پیدا ہو جائے گی اور قرآن مجید کی اصطلاح میں ”مترفین“ اور ”محرومین“ کے دو طبقے وجود میں آ جائیں گے۔

مترفین کا طبقہ اس طرح وجود میں آتا ہے کہ ہر معاشی proposition میں تین امور شامل ہوتے ہیں۔ (الف) سرمایہ (ب) محنت (ج) اور موقع۔ کیونکہ وہی سرمایہ کاری اور وہی محنت کسی خاص وقت یا جگہ پر زیادہ نتیجہ خیز اور منافع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ جبکہ وہی سرمایہ اور وہی محنت کسی دوسرے وقت اور جگہ پر اس قدر نتیجہ خیز نہیں ثابت ہوتے۔ اسی کو موقع یا chance کہتے ہیں۔ اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے جبکہ...... سرمایہ کو محض سرمایہ کی حیثیت سے Earning Factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی طرح chance محض کی حیثیت سے اگر کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ حرام ہے۔ جب سرمایہ سرمائے کی حیثیت میں Earning Agent بنتا ہے تو اس کی بدترین شکل سود ہے۔ ربا ہے ہی یہ کہ محض سرمایہ کے بل پر ایک مقرر و معین منافع حاصل کیا جائے، اس طرح کہ نقصان سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ اسلام اور قرآن کی رو سے اس سے بڑھ کر کوئی شے حرام نہیں ہے۔

خلافت کی حقیقت

ڈاکٹر اسرار احمد

اس شمارے میں

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے...

دجالی دور میں اللہ کے وفادار بندے

ملکی امیج

آل مسلم پارٹیز سے متحدہ مجلس عمل تک

تاریخ کی چارج شیٹ

ایک طرف حجاب، دوسری طرف بندوق

مسلمان عورت کی خصوصیات

اپنی سرزمین کا دفاع

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ الانعام
(آیت:94)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾

''اور جیسا ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے اور جو (مال و متاع) ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں۔ (آج) تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے، سب جاتے رہے۔''

اور پھر قیامت کے دن کہا جائے گا کہ ہمارے پاس اکیلے اکیلے آ گئے ہو۔ کوئی لاؤ لشکر، ساز و سامان، خدم و حشم، جماعت و جمعیت، دوست اور حمایتی تمہارے ساتھ نہیں۔ ظاہر ہے وہاں تو آدمی اکیلا کھڑا ہوگا۔ رشتہ دار ماں باپ، اولاد بیوی کوئی بھی ساتھ نہ ہوگا۔ گویا تم اس طرح آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے تخلیق دو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک تخلیق عالم ارواح میں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی سب اکیلے اکیلے کھڑے تھے۔ نہ کوئی کسی کا باپ تھا، نہ کوئی کسی کی ماں تھی۔ ارواح کے مابین کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ یہ رشتہ داریاں تو پھر عالم خلق میں ہوئی ہیں، جب دوسری تخلیق ہوئی ہے۔ جب انسان قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو پہلی تخلیق کی طرح اکیلے اکیلے ہوں گے، جیسا کہ سورۂ مریم (آیت:95) میں بھی ہے: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ ''اور ان کا ہر ایک قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلا آئے گا۔''

اور تم اپنے پیچھے وہ چیزیں چھوڑ آئے ہو کہ جن میں کہ ہم نے تمہیں لپیٹ دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روح انسانی کئی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ پہلا غلاف جسم کا ہے، دوسرا غلاف لباس ہے۔ اس کے اوپر مکان ہے۔ انسان یہ سب غلاف یہیں دنیا میں اپنے پیچھے چھوڑ کر وہاں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہم تمہارے ساتھ وہ سفارشی نہیں دیکھ رہے جن کے بارے میں تمہیں گھمنڈ ہو گیا تھا کہ وہ سفارش کر کے تمہیں چھڑا لیں گے اور ہماری پکڑ اور محاسبے سے بچا لیں گے۔ اب تمہارے مابین سارے رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ اگر کسی نے حضرت مسیحؑ کو شفاعت کرنے والا سمجھا تھا تو وہاں حضرت مسیحؑ بھی اعلان براءت کر دیں گے کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تمہاری کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ کسی نے شیخ عبدالقادر جیلانی پر بھروسہ کیا ہوگا، تو وہ بھی اظہار براءت کریں گے۔ باقی لات، منات اور عزیٰ تو کسی شمار میں نہیں ہوں گے۔ انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کے رشتے بھی کٹ جائیں گے۔ کہا جائے گا کہ آج وہ سب چیزیں تم سے جاتی رہیں جن پر تم بھروسہ کیے ہوئے تھے اور جن کے سہارے تم حرام خوریاں اور حق تلفیاں کرتے رہے تھے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ہر مسلمان پر علم کی طلب و تحصیل فرض ہے

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)) (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علم کی طلب (وتحصیل) ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

تشریح: جو شخص بھی مسلمان ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرے، تا کہ وہ اوامر و نواہی اور جائز اور نا جائز سے واقف ہو اور دینی تعلیمات پر عمل کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ دعا ہے ﴿رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾۔ ''اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

ایوب بیگ مرزا

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے...

صدر مشرف نے کہا ہے کہ جب بھی اُنھیں محسوس ہوا کہ وہ عوام میں مقبول نہیں رہے، وہ فوری طور پر اقتدار سے الگ ہو جائیں گے۔ ع اِس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا۔ کیسی معصومیت ہے، کیسا بھولپن ہے۔ ایوب خان کے خلاف جب تحریک زوروں پر تھی ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ میں ایک درباری نے کورنش بجالاتے ہوئے عرض کیا، یہ چند مفاد پرست عناصر ہیں جو آپ کے خلاف ہنگامہ کر رہے ہیں، آپ اپنی مقبولیت ثابت کرنے کے لیے ریفرنڈم کروا دیں۔ پہلا فوجی صدر موجودہ صدر جیسا بھولا اور سیدھا نہیں تھا۔ اس نے انتہائی غصے اور جھنجھلاہٹ سے کہا، یہ جو تم ہر روز سڑکوں پر دیکھتے ہو کیا یہ ریفرنڈم نہیں ہے۔ صدر مشرف نے غلط نہیں کہا۔ دجالی دور ہے اندھے آنکھوں والوں کو راہ دکھا رہے ہیں۔ بہروں کو شہنائی کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کیسا فلسفیانہ قول رکشاؤں اور بسوں کی پشت پر درج ہوتا ہے۔ ”عقل ہے تو سوچاں ہی سوچاں نہیں ہے تو موجاں ہی موجاں۔“

نائن الیون کے بعد صورتِ حال میں یہ تبدیلی آئی کہ ہماری قیادت نے ہمیں از سرتاپا امریکی غلامی میں جکڑ دیا۔ پھر یہ کہ قوت کے خوف اور ڈالروں کی لالچ میں اپنی آزادی، اپنی انا، قومی وقار اور اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو امریکہ کے قدموں میں ڈال دیا۔ کوئی باغیرت قوم اسے کیسے قبول کر سکتی تھی، لہٰذا اختلاف شروع ہوا۔ کسی اختلاف پر حکمران اگر ڈھٹائی اور بے حسی کا مظاہرہ کرے تو اختلاف نفرت میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ ہر آمر کے پاس اِس نفرت کا مقابلہ کرنے کے لیے دو ہتھیار ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ قومی مفادات کی فروخت سے عالمی سطح پر سُپر قوت سے اپنے اقتدار کے لیے آشیرباد حاصل کرے اور دوسرا اندرونِ ملک بکاؤ مال کے لیے سرکاری خزانے کا منہ کھول دے۔ لہٰذا 2002ء میں ضمیر فروشوں کے مینا بازار کو پارلیمنٹ کا نام دے کر جمہوریت بحال کرنے کا دعویٰ کر دیا گیا۔ یہ ڈرامہ چار سال اِس لیے کامیابی سے چلتا رہا کہ اِس کی پروڈکشن اور ڈائریکشن امریکہ بہادر کے ذمہ تھی اور وہ اس کے بدلے میں خطے میں اپنے مفادات کے حصول کا خواہشمند ہے۔ افغانستان اور پاکستان کے شمالی علاقوں کے مسلمان اُس کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں اور امریکہ ہمارے حکمران کی مدد سے اِس علاقے کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں مصروف ہے تاکہ اپنے مفادات کی تکمیل کر سکے۔

گزشتہ مارچ میں امریکی پشت پناہی کے ترنگ میں صدر مشرف نے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار چوہدری کو فوجی بوٹ کی ٹھوکر مار کر اُٹھا پھینکنے کی کوشش کی تو نفرت کے پھوڑے کو نشتر لگ گیا۔ وکلاء ”گو مشرف گو“ کے نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے اور آج تک لاٹھی اور گولی کا مقابلہ کرتے ہوئے میدان میں موجود ہیں۔ سول سوسائٹی صدر مشرف کی روشن خیالی کو منافقت قرار دیتے ہوئے وکلاء کے کندھے سے کندھا ملا کر سرتاپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔ تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے ملک کے جید علماء نے صدر مشرف سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا ہے۔ دجالی دور کے اصحاب ”ق“ کو چھوڑ دیجیے جنھیں اب کوئی غار بھی پناہ دینے کو تیار نہیں۔ باقی تمام سیاسی جماعتیں صدر مشرف کو ہٹانے کی جستجو کر رہی ہیں۔ ڈاکٹروں کی سب سے بڑی ایسوسی ایشن نے نواز شریف کو اپنے اجلاس میں خطاب کا موقع دے کر صدر مشرف سے کھلی جنگ کا اعلان کیا ہے۔ میڈیا کو آزاد کرنے کا بہت دعویٰ تھا حالانکہ وہ آزادی بدلتے ہوئے وقت کا تقاضا تھا۔ بہرحال اُسے بھی زنجیروں میں کس دیا گیا۔ ملک کے اخبارات میں شاید ہی کوئی کالم عزت مآب کی حمایت میں شائع ہوتا ہو۔ مزدور ”ہائے آٹا، ہائے آٹا“ کر رہا ہے۔ کلرک سڑکوں پر مہنگائی کے خلاف سینہ کوبی کر رہے ہیں۔ مہنگائی کے علاوہ گیس اور بجلی کی عدم دستیابی نے گھریلو بجٹ کا (باقی صفحہ 17 پر)

”تا خلافت کی بنا، دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر“

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 14 تا 20 فروری 2008ء — 6 تا 12 صفر المظفر 1429ھ — شمارہ 7

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا.................(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
”مکتبہ خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ذوق و شوق

(تیسرا بند)

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تُو! — نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو!
جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق — خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدُو!
میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ — میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
بادِ صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس! — میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو!
خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش — ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لُہو!
فرصت کشمکش مدہ ایں دل بے قرار را — یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

1۔ اقبال کہتے ہیں کہ اگر کائنات کو ایک لفظ، ایک نشانی، ایک آیت قرار دیا جائے، تو حضور ﷺ اس لفظ کا معنی یا مفہوم ہیں۔ پس اگر حضور ﷺ کا وجودِ مسعود نہ ہو تو یہ ساری کائنات بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جائے۔ معنیٔ دیریاب (یعنی مشکل سے سمجھ میں آنے والا مطلب) اس لیے کہا کہ اس میں تو شک نہیں کہ آپ ؐ معنیٔ کائنات ہیں لیکن خود آپ ؐ کی حقیقت کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ چنانچہ اقبال ''جاوید نامہ'' میں لکھتے ہیں:

عبدہٗ از فہم تو بالاتر است
زانکہ اوہم آدم وہم جوہر است

یعنی عبدہٗ کی حقیقت کا سمجھنا تیری عقل سے بالاتر ہے، کیونکہ حضور ﷺ آدم بھی اور جوہر بھی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کائنات کی ساری قدر و قیمت اور خوبی آپ ؐ ہی کے دَم سے ہے۔ ساری دنیا آپ ؐ کے نُور سے فیض یاب ہونے کے لیے بے تاب اور بے قرار ہے، اسی لیے ساری دنیا قافلہ در قافلہ آپ ؐ کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

2۔ آج کل کے اکثر و بیشتر علماء کم سواد و تنگ نظر اور ظاہر بیں ہیں۔ اب رہے صوفیاء تو نہ اِن میں روحانی ترقی کا جذبہ ہے اور نہ رُوحانیت کا رنگ ہے۔ اور اِن دونوں گروہوں کے قلوب جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے خالی ہے۔ جو لوگ بظاہر تحصیل علم میں مصروف ہیں، وہ بے بصیرت اور حقیقت سے ناشناس ہیں۔ اُن کے دلوں میں عملاً طلب علم کا ذوق مُردہ ہو چکا ہے اور جو لوگ مے کدے میں براجمان ہیں، وہ صرف کم ظرف ہی نہیں، بلکہ خالی پیمانے ہی پر اکتفا کیے ہوئے ہیں۔ مراد یہ کہ زندگی کے لیے عملی جد و جہد سے عاری اور تہی دست ہیں۔

3۔ اقبال کہتے ہیں کہ جہاں تک میری تخلیقی کاوشوں کا سوال ہے، تو بس اِسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اشعار میں اُس آتشِ رفتہ کا سراغ لگانے اور اُس میں از سرِ نو حرارت پیدا کرنے کی سعی کی ہے جو عرصے سے اپنی فطری صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے۔ یہی نہیں بلکہ میں تو اپنے سوئے ہوئے ماضی کی جستجو میں مصروف ہوں، وہ ماضی جو درخشندہ اور تابناک تھا۔

4۔ جس طرح بادِ صبا سے گلشن میں غنچے شگفتہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح میری شاعری کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں آرزو نشو و نما پا سکے:

دنیا میں اسلام کو سربلند کرنے کی آرزو
دنیا کو قرآن حکیم کے پیغام سے آگاہ کرنے کی آرزو
دنیا سے باطل کو مٹا دینے کی آرزو
دنیا کو سرکارِ دو عالم ﷺ کا حلقہ بگوش بنانے کی آرزو
دنیا میں خلافت کے قیام کی آرزو
دنیا کو بنی نوع انسان کے رہنے کے لائق بنانے کی آرزو

5۔ اِس شعر کے پہلے مصرعے کا جواب دوسرے مصرعے کے مضمون سے ملتا ہے کہ ساز سے جو نغمہ برآمد ہوتا ہے، اُس میں ساز بجانے والے کی تخلیقی کاوش کا دخل ہوتا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ تخلیقی اُپج کے بغیر کوئی تخلیق وجود میں آتی ہے نہ تکمیل پاتی ہے۔

6۔ اِس شعر میں اقبال سرورِ کائنات ﷺ سے براہِ راست خطاب کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے میرے قلب و رُوح کو جس ولولے اور تڑپ سے روشناس کیا ہے، اُس میں مزید اضافہ درکار ہے۔ یہ اضطراب جس قدر زیادہ ہوگا، اُسی قدر قلب و رُوح کو تڑپانے کے ساتھ جِلا بھی بخشتا ہے۔ ولولے اور تڑپ میں اضافہ بالکل اس طرح ہے جیسے محبوب کی تاب دار زلفوں کی شکنوں میں اضافہ کہ اِن میں دل اُلجھ کر رہ جائے۔ اقبال نے اپنی ایک اور تصنیف ''زبورِ عجم'' سے نہایت برمحل شعر کا انتخاب کیا ہے۔ یہ مطلع اُس غزل کا ہے جو انہوں نے نعت میں لکھی ہے۔

واقعہ اصحاب کہف اور

موجودہ دجالی تہذیب کے دور میں اللہ کے وفادار بندے

سورۃ الکہف کی آیات 7 تا 24 کی روشنی میں

حافظ عاکف سعید امیر تنظیم اسلامی

گزشتہ شمارے میں خطاب جمعہ کے آخر میں قارئین کو بتایا گیا تھا کہ امیر تنظیم اسلامی کا یہ خطاب علماء کرام کی جانب سے ملک کو درپیش بحران کے اسباب کی وضاحت اور تبصرہ پر مشتمل ہے۔ علماء کرام نے اِس بحران کے حل کے سلسلے میں جو دس نکات تجویز کیے ہیں، اُن کی وضاحت اگلے شمارہ میں شائع ہوگی۔ مگر اس بار امیر محترم مسجد دارالسلام باغ جناح (لاہور) میں خطاب نہیں فرما سکے، بلکہ آپ نے مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی ہی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اِس خطاب میں آپ نے انہی باتوں کا اعادہ کیا جو آپ گزشتہ جمعہ بیان فرما چکے تھے۔ اِس طرح موضوع کو آگے نہیں بڑھایا جا سکا۔ بنا بریں ان صفحات میں تازہ خطاب جمعہ کی تلخیص پیش نہیں کی جارہی، بلکہ اِس کی جگہ اصحاب کہف کے حوالے سے آپ کی ایک تحریر پیش جاری ہے، جس میں ہمارے لیے رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔ (ادارہ)

موجودہ زمانے میں سورۃ الکہف کے مطالعے کی اہمیت دوچند ہو جاتا ہے' کیونکہ اس دور میں ہم وہ تمام علامات دیکھ رہے ہیں جو دجالی فتنے کے حوالے سے احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ مسیح دجال اور دجالی تہذیب کے حوالے سے یہ فرق ذہن میں رہنا چاہئے کہ مسیح دجال سے مراد ایک معین شخص ہے' جو قرب قیامت میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ مسیح موعود کا انتظار مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو ہے۔ یہود کی کتابوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر تھا' لیکن آج سے دو ہزار سال قبل جب حضرت مسیح تشریف لائے تو یہود نے انہیں اللہ کا نبی اور رسول ماننے سے انکار کر دیا۔ یوں ان کے حساب سے بھی ابھی مسیح موعود نہیں آئے۔ چنانچہ گمان غالب ہے کہ قیامت کے نزدیک جو شخص اپنے مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا' وہ یہودیوں میں سے ہوگا۔ وہ شرکی قوتوں کا امام ہوگا' المسیح الدجال یعنی جھوٹا مسیح۔ پھر اس کے خاتمے کے لئے اصل مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے۔

احادیث نبویہ میں دجالی دور کے بارے میں جو پیشن گوئیاں اور علامتیں آئی ہیں' وہ اس دور میں صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ یوں اسے دجالی فتنے کا دور کہا جا سکتا ہے اور سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات اس دجالی دور کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے بہت مفید ہیں۔ اس دجالی تہذیب میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا ایک مظہر یہ بھی سامنے آیا کہ دنیا کی زیب و زینت پہلے سے بے پناہ بڑھ گئی ہے۔ جن آسائشوں کا تصور بھی مغل شہنشاہوں کے دماغ میں نہیں تھا' وہ آج عام آدمی کو حاصل ہیں۔ میڈیا نے اس زیب و زینت کو اور بھی زیادہ بڑھا چڑھا دیا ہے۔ چنانچہ انسان کا امتحان پہلے سے بہت زیادہ سخت ہو گیا ہے۔ اب نگاہ مال و اسباب سے ہٹ کر مسبب الاسباب کی طرف جاتی ہی نہیں۔

> **اصحاب کہف کے قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ایک طرف دجالی قوتیں اور طاغوت ہو جبکہ دوسری طرف ایسے بے دست و پا لوگ ہوں جن کا اللہ پر محکم ایمان ہو تو ایسی صورت حال میں بھی اللہ تعالیٰ ان کے لئے کامیابی کے راستے کھول سکتا ہے**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین پر جو کچھ ہے' ہم نے اسے اس زمین کے لئے زیب و زینت بنا دیا ہے تاکہ ہم جانچیں کہ (اس سب کے باوجود) اُن میں کون اچھے عمل کرنے والے ہے اور جو چیز زمین پر ہے ہم اس کو (نابود کر کے) بنجر میدان کر دیں گے۔

دجالی فتنے کے ساتھ اصحاب کہف کے تعلق کو بھی سمجھ لیجئے! احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ایک ہاتھ میں پانی ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں آگ۔ قدرتی طور پر انسان کے لئے پانی میں ٹھنڈک اور اطمینان کا سامان ہے جبکہ آگ میں آزمائش اور سختی ہے۔ گویا ایک طرف جنت اور ایک طرف دوزخ ہے۔ لیکن دجال کا پانی حقیقت کے اعتبار سے آگ ہوگی، جبکہ اس کی آگ حقیقت کے اعتبار سے پانی ہوگا۔ دجال زمین پر شیطان کا سب سے بڑا نمائندہ ہوگا اور انسان سے اللہ کی سرکشی کا کام کروائے گا۔ کُل وسائل اسی کے ہاتھ میں ہوں گے۔ وہ لوگوں کو ایک طرف ترغیبیں دلائے گا کہ جو مجھ پر ایمان لائیں گے' انہیں میں لقمہ دوں گا، جبکہ نہ ماننے والے کے لئے سخت ترین سزا کی وعید ہوگی۔ اہل حق کے لئے یہ مشکل ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں رہی ہے۔ فرعون نے بھی "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگا کر بنی اسرائیل کو آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس دجالی فتنے میں جو شخص آگ کو ترجیح دے گا تو اس کو پانی ملے گا اور اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کے لئے راحت کا سامان پیدا کرے گا۔ راحت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کو مشکلات میں صبر کرنے پر قلبی سکون کی کیفیت حاصل ہوتی ہے' کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس مصیبت میں بھی رب کی طرف سے یقیناً کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چاہے تو اور راستے بھی نکالتا ہے۔

اصحاب کہف وہ نوجوان تھے جنہوں نے نعرۂ توحید بلند کیا۔ وقت کے ظالم مشرک بادشاہ نے ان کی جوانی پر ترس کھاتے ہوئے انہیں چند دن سوچنے کی مہلت دی کہ وہ اپنے باغیانہ نظریات سے تائب ہو جائیں' ورنہ انہیں عبرت ناک سزا ملے گی۔ اب انہوں نے کس چیز کو اختیار کیا: پانی کو یا آگ کو؟ انہیں بادشاہ کے ظلم سے بظاہر کوئی شے نہیں بچا سکتی تھی' لیکن اس حال میں بھی انہوں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ وہ توحید سے منحرف نہیں ہوں گے۔ یہی شکل دجالی دور میں اپنی انتہا پر ہوگی۔ آج کوئی بھی ملک یہودیوں کے سودی نظام کو رائج کئے بغیر عالمی معیشت کا حصہ نہیں بن سکتا۔ اسی طرح سیاسی نظام میں اللہ کی حاکمیت کے مقابلے میں سیکولرازم کو اختیار کرنے پر زور ہے۔ معاملہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اسلام کی معاشرتی اقدار پر قائم رہنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ جو صورت اصحاب کہف کو درپیش تھی' اب بات اس سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ ایسی صورت حال میں بندۂ مومن کے لئے کون سا راستہ ہے؟ یہ سورت اِسی کی نشاندہی کرتی ہے۔

فرمایا گیا: "کیا تم سمجھتے ہو کہ کہف اور رقیم والے ہماری قدرت کی انوکھی نشانیوں میں سے تھے!" قرآن مجید اصولی طور پر اس بات کی حوصلہ شکنی کرتا ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں تاریخی اعتبار سے کھوج کرید کی جائے اور ان

مباحث میں الجھا جائے کہ وہ کون لوگ تھے ان کے نام کیا تھے ان کا کتا کس رنگ کا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو اس واقعے کے اخلاقی سبق پر توجہ دینے کا کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جب وہ جوان غار میں جا رہے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔ تو ہم نے غار میں کئی سال تک ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (یعنی ان کو سلائے) رکھا۔ پھر اس کو جگا اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔“ قرآن نے اس مدت کو معین نہیں کیا کہ وہ کتنا عرصہ وہاں پر ٹھہرے رہے۔ جب وہ جاگے تو آپس میں اس بنیاد پر دو گروہوں میں بٹ گئے کہ ان کی مدت قیام کتنی ہے۔

فرمایا گیا: ”اے نبیؐ! ہم آپ پر ان کے احوال حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے۔ (انہوں نے ناموافق حالات میں بھی کلمہ توحید ادا کیا) اور ہم نے ان کی ہدایت میں مزید اضافہ فرما دیا۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو جما دیا جب وہ کھڑے ہوئے اور (انہوں نے نعرہ حق بلند کیا) کہا: ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم تو اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہیں مانیں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم ناجائز بات کہنے کے مرتکب ہوں گے۔ ہماری قوم نے اللہ کو چھوڑ کر کچھ اور معبود تراش لئے ہیں۔ یہ اپنے شرک پر کوئی دلیل کیوں نہیں لے کر آتے۔ تو اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے (ان میں سے کچھ نے کہا) جب تم نے اپنی قوم سے اور ان سب چیزوں سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا ہے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں تو کسی غار میں جا بیٹھو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت میں سے کوئی حصہ پھیلا دے گا اور تمہارے اس کام میں کوئی نرمی پیدا فرما دے گا“۔

یہاں سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اُس وقت دجالی تہذیب سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیئے جب اس کے مقابلے کی قوت نہ ہو۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں: ایک وقت وہ آئے گا کہ بندۂ مومن کی بہترین متاع چند بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے پہاڑوں میں نکل جائے گا۔ ایک معاملہ تو یہ ہے کہ آدمی طاغوت سے ٹکرا کر شہادت کی موت حاصل کر لے لیکن دوسرا راستہ کنارہ کشی کا بھی ہے۔ اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کوئی راہ نکال سکتا ہے کہ وہ مسبب الاسباب ہے۔ تاہم اگر کچھ لوگ طاغوتی اور دجالی قوتوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیں تو یہ یقیناً بڑے اجر والا کام ہے، جس کے نتیجے میں شاید اور کئی لوگ بیدار ہو جائیں۔ کسی صورت میں باطل کے سامنے جھکنا نہیں چاہیئے۔ اگرچہ باطل قوت سے خود جا کر ٹکرانے کی ہمارے دین میں عام حالات میں حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے لیکن اگر دجالی قوت آپ پر مسلط ہو جائے تو اس کے آگے اپنے ایمان کی سودے بازی کی اجازت بھی نہیں ہے۔ پھر اس سے ٹکرانا ہوگا۔

آگے فرمایا گیا: ”اور تم دیکھتے ہو سورج کو کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو دھوپ ان کے دائیں جانب سے کترا کر نکل جاتی ہے اور جس وقت غروب ہوتا ہے تو وہ کترا کر بائیں طرف نکل جاتی ہے۔ اور وہ غار کے اس کھلے حصے میں تھے۔ یہ چیزیں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہے ہدایت یافتہ اور جس کو گمراہی پر اللہ تعالیٰ مہر ثبت کر دے تو ایسے شخص کے لئے تم کوئی ولی نہیں پاؤ گے جو اُس کو صحیح راستے پر لا سکے۔ اور تم سمجھتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ اور ہم ان کو کروٹ دلاتے رہے دائیں اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا پاؤں پسارے ہوئے تھا غار کے دہانے پر۔ اگر کہیں تم انہیں جھانک کر دیکھ لیتے تو پھر الٹے پاؤں بھاگتے اور تمہارے اندر ان کی دہشت سما جاتی“۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتا ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسی حال میں غار کے اندر دو سو برس تک رہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا سماں تھا کہ دیکھنے والا ایک نظر ڈال کر دہشت زدہ ہو کر بھاگ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے وفادار بندوں

پریس ریلیز 8 فروری 2008ء

اگر انتخابات میں دھاندلی ہوئی تو حالات مزید خراب ہوں گے اور پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ سکتا ہے

حکومت نائن الیون کی پالیسی پر ٹرن لے کر وطن عزیز کو امریکی چراگاہ بننے سے بچائے

حافظ عاکف سعید

سوات اور دیگر شمالی علاقوں میں لال مسجد کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ حکومت اپنے عوام کو ہی خاک وخون میں نہلا کر غیروں کی خوشنودی حاصل کرنے کی ناکام کوششوں میں لگی ہوئی ہے حالانکہ موجودہ بحرانوں کا حل مذاکرات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے موجودہ بحرانوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وطن عزیز کی ساٹھ سالہ تاریخ میں ہم بدترین موڑ پر کھڑے ہیں۔ آٹا، بجلی، گیس اور پانی کی قلت، بے روزگاری، مہنگائی اور قتل وغارت گری جیسے بحران پاکستان کی تاریخ میں اس صورت حال تک نہیں پہنچے تھے جیسے آج ہیں۔ لیکن ان تمام مسائل کے علاوہ ملکی سیاسی استحکام نے ملک میں خانہ جنگی کی سی فضا پیدا کر دی ہے۔ جس کے نتیجے میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور یہ سلسلہ رکتا نظر نہیں آ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں بے یقینی کی کیفیت ہے اور انتخابات اتنے قریب آنے کے باوجود گہما گہمی نظر نہیں آ رہی۔ اس بات پر پوری قوم متفق ہے کہ انتخابات شفاف نہیں ہوں گے سوائے حکومت نواز پارٹی کے، جو شفاف انتخابات کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔ انہوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر انتخابات میں دھاندلی ہوئی تو حالات مزید خراب ہوں گے اور پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ سکتا ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ بحر و بر میں فساد لوگوں کے اپنے کرتوتوں کا ہی نتیجہ ہے اور یہ فساد فی الارض ان لوگوں کی بداعمالیوں کا پورا بدلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے عذاب کی ایک جھلک ہے اور اس دنیا میں ان کے بعض اعمال کا مزا چکھایا جاتا ہے تاکہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے گناہوں سے باز آئیں۔

موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں حافظ عاکف سعید نے فوری حل کے طور پر علمائے کرام کی پیش کردہ تجاویز کی طرف توجہ دلائی کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ فوری ان پر عمل درآمد کرے اور نائن الیون کی پالیسی پر ٹرن لے کر وطن عزیز کو امریکی چراگاہ بننے سے بچائے۔ اس مقصد کے لیے قبائلی علاقہ جات اور دیگر علاقوں میں فوجی کارروائیاں فوری طور پر بند کر کے وہاں کی شورش کے اسباب کو سمجھا جائے اور اس کے سدباب کے لیے مثبت اقدامات کیے جائیں۔ (جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

کی مدد کرتے ہوئے ان کے دشمنوں کے دل میں ہیبت اور رعب ڈال دیتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: ”اور اسی طرح ہم نے انہیں جگایا تاکہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں۔ ان میں سے ایک نے کہا: تم کتنے عرصے رہے؟ تو کہنے لگے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ دوسرے ساتھی کہنے لگے، تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے تم کتنا عرصہ یہاں رہے ہو۔ ذرا اپنے میں سے ایک ساتھی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر کہو کہ وہ شہر جائے اور جائزہ لے کر دیکھ لے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہے۔ پھر وہ تمہارے لئے کھانا لے کر آئے۔ اور دیکھنا وہ بہت ہی نرمی سے جائے اور وہ انہیں تمہاری خبر قطعاً نہ ہونے دے۔ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمہیں رجم کر دیں گے یا تمہیں واپس شرک کی طرف لوٹنے پر مجبور کریں گے۔ (اگر ہم ان کے دباؤ میں آ کر دین سے پھر گئے تو) پھر ہم تو ہرگز کامیاب نہ ہوئے۔ اور اسی طرح ہم نے خبر ظاہر کر دی اُن لوگوں کی تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کا آنا یقینی ہے“۔

یہاں قرآن نے بہت سی باتیں حذف کر دی ہیں جو بین السطور میں ہیں اور تاریخی روایات سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک شخص نے جب کھانا خرید کر دکاندار کو سکہ پیش کیا تو وہ حیران ہوا کہ یہ تو کوئی سو سال پرانا سکہ ہے اور یقیناً اس کے ہاتھ کوئی دفینہ لگا ہے۔ چنانچہ اس نے سرکاری اہلکاروں کو اطلاع دی۔ اس عرصے میں پوری رومن سلطنت عیسائیت قبول کر چکی تھی۔ وہاں کا بادشاہ اُس وقت کے اعتبار سے مسلمان تھا اور اُس زمانے میں اس بات پر بحث مباحثے ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہی افراد ہیں جن کے گم ہونے کے احوال تختی پر لکھ کر لگا دیئے گئے تھے۔ اب وہ لوگ تو سر آنکھوں پر بٹھانے کے لائق تھے اور یہ چیز بھی منکشف ہوگئی کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو دو سو سال کی موت کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو اس کے لئے انسانوں کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے۔

آگے فرمایا: ”اُس وقت لوگ اُن کے بارے میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اُن (کے غار) پر عمارت بنا دو۔ اُن کا پروردگار اُن (کے حال) سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ اُن کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کہ ہم اُن (کے غار) پر مسجد بنائیں گے“۔

کچھ لوگوں نے اظہار عقیدت کے طور پر کہا کہ اس غار کے اوپر کوئی یادگار تعمیر کی جائے۔ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حالات سے خوب واقف ہے کہ جو یادگار بنانا چاہتے تھے۔ ان کی نیت کیا تھی جبکہ دین کا اصل تقاضا کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ اصحاب کہف کچھ عرصہ بعد وہیں پر لیٹے اور اللہ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر لی۔ یوں وہی غار بعد میں ان کا مدفن بھی بن گیا۔ جن لوگوں کا فیصلہ بالآخر نافذ ہوا وہ یہ تھا کہ یہاں پر ایک عبادت گاہ تعمیر کی جائے گی۔

آیت 22 میں ارشاد ہوا: ”کچھ کہیں گے وہ تین تھے اور چوتھا کتا تھا ان کا۔ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا۔ یہ لوگ اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دیجئے کہ ان کی صحیح تعداد تو تمہارے رب ہی کو معلوم ہے۔ لوگ ان کے بارے میں بہت کم تفصیلات جانتے ہیں، تو تم اس میں زیادہ جھگڑا نہ ڈالو مگر سرسری انداز تک بات رکھو۔ اور ان کے بارے میں کسی اور سے سوال نہ کرو“۔ اللہ تعالیٰ نے ان تفصیلات میں جانے سے روکا ہے اس لئے کہ پھر آدمی انہی چیزوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ تاہم حضرت عباسؓ کے مطابق وہ سات تھے اور تاریخی اعتبار سے بھی اس بات کی توثیق ہوتی ہے۔

اگلی دو آیات کا سیاق و سباق یہ ہے کہ یہود نے حضور ﷺ کی آزمائش کرنے کی نیت سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کی حقیقت کے بارے میں سوالات کیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں کل بتا دوں گا، اس لئے کہ اُن دنوں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آپؐ کے پاس آمد و رفت تقریباً روزانہ رہتی تھی۔ اس وقت آپ کو ”ان شاء اللہ“ کہنا یاد نہیں رہا، اس پر یہ توجہ دلائی گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ پندرہ دن جبکہ بعض کے مطابق دو مہینے تک حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف نہیں لائے۔ ایسے میں حضور ﷺ جس کیفیت سے گزرے ہوں گے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف کا پورا قصہ بتا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آئندہ ان شاء اللہ کہے بغیر ہرگز نہ کہنا کہ میں فلاں کام کر لوں گا۔ اگر بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کر لیا کرو۔ اور دعا کرتے رہو کہ امید ہے میرا رب مجھے اور زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے“۔

”ان شاء اللہ“ درحقیقت ایک بہت اہم توحیدی کلمہ ہے۔ مادی دور میں جب تمام توجہ دنیا پر رہتی ہے تو مسبب الاسباب نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ امر مستحضر رہنا چاہئے کہ تمام اسباب کے ہوتے ہوئے بھی میں اپنے بل پر کوئی کام نہیں کر سکتا۔

اصحاب کہف کے قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ایک طرف دجالی قوتیں اور طاغوت ہو جبکہ دوسری طرف ایسے بے دست و پا لوگ ہوں جن کا اللہ پر محکم ایمان ہو تو ایسی صورت حال میں بھی اللہ تعالیٰ ان کے لئے کامیابی کے راستے کھول سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا پہلے بھی کرتا رہا ہے اور تاریخ میں اس کی نشانیاں موجود ہیں!

بقیہ: تحریکات

ایک گروہ کی طرف سے بطور رُکن پارلیمنٹ میں مجھے ہدف بنایا گیا، زبردستی روکا گیا، کیونکہ حجاب اسلامی تہذیب اور انسانی شائستگی کا نشان ہے اور یہی اُن کے لیے خطرہ ہے۔

س: آپ امریکا چلی آئیں۔ وہاں آپ کا کیسا استقبال ہوا؟

ج: میں اب محض اپنی نمائندہ نہیں ہوں۔ بلکہ لوگ مجھے ترکی کی 25 سال سے کچلی ہوئی اُن خواتین کی نمائندہ سمجھتے ہیں، جو حجاب پہنتی ہیں۔ وہ مذہب اور اپنے مستقبل یا پیشے میں سے ایک کا انتخاب کرنے پر مجبور ہیں۔ ان خواتین کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی۔ میں بطور رُکن پارلیمنٹ ہر اُس جگہ اُن کی آواز پہنچانا چاہتی ہوں، جہاں تک ممکن ہو۔

س: کیا کسی مرحلے پر لامذہب اشرافیہ اور اسلامی لوگوں کے مابین کوئی مفاہمت ہو سکتی ہے؟

ج: اس سوال کے لیے آپ کا بہت شکریہ۔ ہماری شدید خواہش ہے کہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ مل کر بیٹھیں اور اس مسئلے پر کھل کر گفتگو کریں۔

س: کیا وہ بھی ایسا چاہتے ہیں؟

ج: یہ سوال اُن سے کریں۔ ہم تو مظلوم لوگ ہیں۔ ہمیں برسوں سے ذلیل و خوار کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت یہ طے کرنا تو اُن کا کام ہے کہ کیا واقعی وہ کوئی مفاہمت کرنا چاہتے ہیں، مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں اور کیا ترکی کو بہتر اور پُرامن ملک بنانا چاہتے ہیں۔ ہم تو عثمانیوں کے وارث ہیں جو صدیوں تک پُرامن طور پر رہتے رہے ہیں۔

س: میں اکثر یہ دلیل سنتی ہوں کہ جب آپ حجاب پہن کر عام مقامات پر جاتی ہیں تو آپ غیر جانب دار نہیں رہ سکتیں؟

ج: میں پوچھتی ہوں کہ جب کوئی حجاب نہیں پہنتا، اسلام سے نفرت کرتا ہے، اور جو لوگ اسکارف استعمال کرتے ہیں، اُن کو بُرا بھلا کہتا ہے، تو کیا وہ غیر جانب دار ہوتا ہے؟

س: جو کچھ آپ کرنا چاہتی ہیں، اُس کی حوصلہ افزائی کیسے ہوتی ہے؟

ج: میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ میں اپنے خیالات دوسروں پر نہیں تھوپتی۔ میں نے خواتین کو حجاب لینے پر مجبور نہیں کیا۔ میں نے اُن کی طرح دوسروں کو اپنے انداز میں سوچنے پر مجبور نہیں کیا۔ میں کسی بینک غبن میں ملوث نہیں ہوں۔ میں نے نہ تو مذہب کے نقطہ نظر سے کوئی غلط کام کیا ہے اور نہ ترکی کے دستور کے خلاف۔ یہ تو تاریخ ہے کہ سچ بولنے والا ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ میں صرف سچ کی علم بردار ہوں اور ہمارا سچ عالمی ہے۔ (جاری ہے)

ملکی امیج

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

مملکت خداداد پاکستان کو اس وقت اندرونی اور بیرونی سطح پر بے حد خوفناک خطرات کا سامنا ہے۔ مثلاً اندرونی سطح پر دہشت گردی کے خلاف جنگ سکڑنے کی بجائے روز بروز پھیلتی جا رہی ہے۔ یہ جنگ قبائلی علاقوں سے شروع ہوئی تھی اور اب اس کا دائرہ کار سوات سے ہوتا ہوا کوہاٹ تک آ پہنچا ہے۔ دوسری جانب روزانہ درجنوں کی تعداد میں ہلاک ہونے والے ''مقامی طالبان'' کی تعداد گھٹنے کی بجائے جادوئی انداز میں بڑھتی جا رہی ہے۔ قومی سیاستدانوں کی جانیں دہشت گردوں کے رحم وکرم پر ہیں۔ آٹا، چینی، گھی، سیمنٹ مافیا اور سرکاری اداروں میں کرپشن مافیا پوری ''شان وشوکت'' سے موجود ہے۔ غربت کی شرح ''شیطان کی آنت'' کی طرح مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔ خودکشیوں کا گراف بلند ترین سطح پر پہنچ چکا ہے۔ قتل وغارت کا بازار گرم ہے۔ اغوا برائے تاوان کی وارداتیں معمول بن گئی ہیں۔ بیرونی سطح پر پوری پاکستانی قوم کا امیج دہشت گرد قوم کا ہے اور پاکستان کو دہشت گردوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اس تصور کو عام کرنے میں ہماری حکومت کی نادانیوں کو بھی دخل حاصل ہے یعنی جس شخص نے بھی ''ظل سبحانی'' صدر پرویز کے خلاف لب کشائی کا ارتکاب کیا وہ فوراً دہشت گرد قرار پایا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی عسکری قیادت اپنی فوج کو پاکستانی سرزمین میں اُتارنے کے منصوبے بنا رہی ہے۔ دورۂ یورپ کے دوران صدر پاکستان کو بھی اس حوالے سے بے شمار سوالات کا سامنا کرنا پڑا اور اُنہوں نے اپنے جوابات میں ''نو پرابلم'' کا تاثر دیا۔ مگر حقیقی کیفیت ''نو پرابلم'' والی نہیں ہے، اس ضمن میں امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس کے خیالات ہماری آنکھیں کھولنے کے مترادف ہے جو اُنہوں نے گزشتہ ہفتے پینٹاگون کی نیوز کانفرنس میں پیش کیے اور یہ نیوز کانفرنس اُس موقع پر ہوئی جب صدر پرویز یورپ میں ملکی امیج کو ''بہتر'' بنانے میں مصروف تھے۔ امریکی وزیر دفاع نے کہا کہ ''امریکی انتظامیہ اب دوبارہ پاکستان پر فوکس کرنے کا سوچ رہی ہے، جہاں القاعدہ نئی دھمکیاں دے رہی ہے اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں طالبان دوبارہ منظم ہو رہے ہیں اور یہ نکتہ امریکی تحفظات بڑھانے کا سبب ہے اور پاکستان میں بڑھتی ہوئی القاعدہ کی کارروائیاں یورپ اور امریکہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ دہشت گردی کی کارروائیاں روکنے کے لیے 100 امریکی فوجی پاکستان میں ہیں جو قبائلی علاقوں میں پاکستانی پیراملٹری فورسز کو تربیت دے رہے ہیں''۔ امریکی وزیر دفاع کے علاوہ ایسے خیالات کا اظہار کرنے والوں میں امریکی نائب صدر ڈک چینی، وزیر خارجہ کونڈا لیزا رائس، صدارتی امیدوار ہیلری کلنٹن، بارک اوباما، سینیٹر جان ایڈورڈ اور سینیٹر بل رچرڈسن کے علاوہ افغانستان میں متعین نیٹو فورسز کے سربراہ بھی شامل ہیں اور یہ حضرات گاہے

> پاکستان اور ایران دو ایسے ممالک ہیں جہاں اسلام کے پنپنے کے آثار نمایاں ہیں۔ ایران میں مذہبی طبقے کی حکومت قائم ہے، جبکہ پاکستان میں اسلامی تحریکوں کے پھلنے پھولنے کے آثار نمایاں ہیں۔ لہٰذا پورے مغرب کے زہریلے پروپیگنڈے کا ہدف بھی دونوں ملک ہیں

بگاہے قومی ایٹمی اثاثوں کے بارے میں بھی درفنطنیاں چھوڑتے رہتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ دنیا میں پاکستان کو دہشت گرد ریاست اور ہمارے ایٹمی اثاثوں کو غیر محفوظ قرار دینے کی مہم کا مقصد کیا ہے۔ حالانکہ عالمی امن کے لیے خطرناک ریاستیں امریکہ اور اسرائیل ہیں اور امریکہ جاپان میں ایٹم بم چلا کر اپنے طرزِ عمل سے بھی ثابت کر چکا ہے کہ اُس کے ایٹمی اثاثے غیر محفوظ اور دنیا کے لیے خطرہ ہیں۔ بہرحال پاکستان کے خلاف مغرب کی موجودہ پروپیگنڈہ مہم کا ایک پس منظر ہے اور وہ یہ کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اس کا قیام اسلام کے نام پر ہوا ہے اور یہ دنیا کی واحد ایٹمی قوت ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے یہود ونصاریٰ کی دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور اسی دشمنی کے پیش نظر یہود ونصاریٰ پاکستان اور اس کی ایٹمی قوت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ اسی لیے مغربی مفکرین اور امریکی تھنک ٹینکس نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے اسلامی بنیاد پرستی، اسلامی دہشت گردی، اسلامی انتہا پسندی جیسی اصطلاحات وضع کی ہیں۔ پاکستان کے ایٹم بم کو ''اسلامی بم'' کا نام دیا اور اسلامی طرزِ زندگی اور اسلامی تعلیمات کو فرسودہ قرار دے کر تہذیبی جنگ کے تصور کو عام کیا اور مدمقابل ایک ایسا نظام متعارف کروایا جو مادر پدر آزاد ہے اور اس نظام کا نام سیکولرازم ہے جو اسلام کی ضد ہے۔ اس نظام میں کسی بھی ریاست کا شہری انفرادی سطح پر تو مذہب کی پیروی کر سکتا ہے مگر اجتماعی معاملات میں خدایا خدائی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ یعنی یہ نظام صد فیصد بغاوت الٰہی پر مبنی نظام ہے اور اس اعتبار سے موجودہ دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ اس وقت اس مشرکانہ نظام کے علمبردار امریکہ اور مغرب ہیں اور اس کے لیے انہیں یہود کی سازشی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ قوتیں اس نظام کو پوری دنیا پر غالب کرنا چاہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کو اسلام کے اثر سے بچانے رکھنے کے لیے ماضی میں سرب فوجیوں نے بوسنیا ہرزی گووینیا میں ایک منظم انداز میں مسلمانوں کی نسل کشی کی۔ روس اور چیچنیا میں مسلمانوں پر مظالم کی وہ تاریخ دہرائی جس کے آگے دنیا کے بدترین آمروں کے مظالم بھی کمتر لگنے لگے۔ سوڈان اور صومالیہ میں چن چن کر اسلام کے شیدائیوں کو ابدی نیند سلا دیا گیا۔ نائن الیون کے واقعہ کو بنیاد بنا کر افغانستان کے بستے بستے شہروں کو قبرستان بنا دیا گیا۔ عراق میں صدام حسین کی آمریت اور مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کو بہانہ بنا کر پورے ملک کو کھنڈر بنا دیا گیا۔ اب پاکستان اور ایران دو ایسے ممالک ہیں جہاں اسلام کے پنپنے کے آثار نمایاں ہیں۔ ایران میں مذہبی طبقے کی حکومت قائم ہے لہٰذا اُس کو آئے روز اقتصادی پابندیوں کے ذریعے جکڑنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ کبھی اُسے ایٹمی پھیلاؤ کا مرکز قرار دیا جاتا ہے، کبھی اُسے دہشت گردوں کی تربیت گاہ کہا جاتا ہے یعنی اُسے عالمی امن کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی تحریکوں کے پھلنے اور پھولنے کے آثار

نمایاں ہیں۔ لہٰذا پورے مغرب کے زہریلے پروپیگنڈے کا ہدف بھی دونوں ملک ہیں۔ بقول اقبالؒ

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو
یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

لہٰذا اس صورتِ حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری قوم کو اصل حقائق سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ یہود ونصاریٰ کے ناپاک عزائم کے خلاف قومی اتحاد و یکجہتی کی فضا کو فروغ دیا جاسکے۔ مگر افسوس ناک بات ہے کہ ہمارے حکومتی حلقے "مٹی پاؤ" کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور "سب اچھا ہے" کا راگ الاپ کر قوم کو حقائق سے دور رکھنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ ملکی مفاد کے لیے ضروری ہے کہ دہشت گردی کے نام پر بھڑکائی جانے والی جنگ کو فوراً ختم کیا جائے کیونکہ یہ جنگ ایک طرف ہمارے لیے بدترین جانی و مالی نقصان کا باعث ہے تو دوسری جانب ہمارے معزز ادارے فوج کے وقار کو شدید نقصان پہنچارہی ہے اور اس طرح یہ جنگ یہود ونصاریٰ کے ناپاک مقاصد کو پورا کر رہی ہے، یعنی پاکستانی قوم اور اس کی فوج مدمقابل آجائیں اور اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کی سالمیت اور اس کے ایٹمی اثاثوں کو ختم کیا جاسکے۔ خدا ہمیں اُس وقت سے بچائے۔ (آمین!)

دوسری چیز جو پاکستان کے امیج کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے یہ ہے کہ صاف وشفاف انتخاب کرواکر حکومت حقیقی نمائندوں کے سپرد کی جائے اور صدر پرویز بہتر ہے پوری قوم اور بالخصوص ریٹائرڈ فوجی جرنیلوں اور خالص غیر سیاسی علماء کرام کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے صدارت سے مستعفی ہوجائیں اور عدلیہ کو 3 نومبر 2007ء کی کیفیت پر بحال کیا جائے۔ اس طرح پوری دنیا میں پاکستان کا امیج بہتر ہوسکتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو متوقع صورتِ حال سامنے نظر آرہی ہے کہ خدانخواستہ نیٹو افواج کے ساتھ بھارت کی فوج بھی پاکستان میں داخل نہ ہو جائے۔

ہمارے اور بھارت کے عالمی سطح پر امیج کا تقابل ملاحظہ ہو کہ ہمارے صدر جن گورڈن براؤنوں اور سرکوزیوں کو ملنے کے لیے یورپ گئے وہی گورڈن براؤن اور سرکوزی منموہن جی کو ملنے بھارت آئے۔ فرق صرف یہی ہے کہ بھارت میں جمہوریت اور جمہوری روایات اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں جبکہ ہمارے ملک میں جمہوریت فوجی حکمرانوں کے لیے ایک کھلونا ہے جس سے جب چاہا کھیل لیا اور جب چاہا توڑ دیا۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن سے متحدہ مجلس عمل تک

پاکستان کے دینی محاذوں کا جائزہ......!

مجاہد الحسینی

اسلامی مملکت پاکستان کے مرحلۂ آغاز میں قائد مسلم لیگ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے مختلف مکاتب فکر کے علماء ومشائخ کی خدمات اور تعاون سے بھرپور استفادہ کیا تھا اور ایک مسلم ریاست کے دینی ومذہبی تشخص کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ بعدازاں انہی کی حسب ہدایت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر قیادت قراردادِ مقاصد منظور کر کے پاکستان کے قیام کا مقصد واضح اور متعین کیا گیا، اسی کے مطابق ایک اسلامی تعلیمات بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی جس میں علامہ سید محمد سلیمان ندوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا اطہر علی (مشرقی پاکستان) مولانا بدر عالم میرٹھی، ڈاکٹر حمید اللہ اور

> سوال یہ ہے کہ پانچ سال کے عرصے میں مجلس عمل نے اسلامی نظریات کے تحفظ، اسلامی معاشرت اور نظام کے نفاذ کی خاطر کیا کیا اقدامات کیے اور 1953ء میں علماء کرام کے مرتب کردہ 22 اسلامی دفعات پر عمل درآمد کے لیے اس نے کیا کچھ کیا ہے؟

علامہ اسد شامل تھے، (بعض حضرات نے کمیٹی کی تعداد اس سے کم بتائی ہے) ان شخصیات کے تعاون سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دستور اسلامی کی اساس "قراردادِ مقاصد" پر استوار کی جو آج بھی دستور 1973ء کی اساس قرار پائی ہے۔ بعدازاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی بہاولپور میں 13 دسمبر 1949ء کو وفات کے بعد دستوری سب کمیٹی کے کئی اجلاس منعقد ہوئے۔ آخری اجلاس 16 جنوری 1953ء کو "حاجی مولا بخش سومرو" کی رہائش گاہ (واقع نزد مزار قائد کراچی) میں زیر صدارت علامہ سید محمد سلیمان ندوی منعقد ہوا تھا جس میں اسلامی مملکت کے 22 بنیادی اصول مرتب کیے گئے اور 33 علماء کرام نے اس میں شرکت کر کے تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس اہم اجلاس کے دو سیشن تھے، ایک "دستوری خاکے" کی خاطر اور دوسرا "تحریک تحفظ ختم نبوت" کے سلسلے میں۔ ان دونوں اجلاسوں کی صدارت علامہ سید محمد سلیمان ندوی نے کی تھی اور راقم الحروف نے اس تاریخی اجلاس میں شرکاء کے دستخط حاصل کیے تھے جو راقم کے پاس تاریخی دستاویز کے طور پر محفوظ ہیں۔

اس تاریخی اجلاس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد تمام مکاتب فکر اور مسالک کے علماء ومشائخ حضرات (مشرقی اور مغربی پاکستان) سے اس میں شریک ہوئے تھے، چونکہ اس وقت میرا مقصود تدوین دستور کی تاریخ پیش کرنا نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کی نشاندہی مقصود ہے کہ ایک مسلم مملکت کی اسلامی حیثیت اور اس کا تشخص اجاگر کرنے کے سلسلے میں اجتماعی طور پر جو دینی و اسلامی محاذ قائم ہوتے رہے ہیں اور اجتماعی کوششیں بروئے کار آتی رہی ہیں ان کا نظام، عمل وکردار کیا تھا اور آدھی صدی گزرنے کے بعد آج پاکستان کے علماء ومشائخ کی کارکردگی اور ان کی اجتماعی جدوجہد کا مقصود کیا رہ گیا ہے؟

پاکستان کی گزشتہ نصف صدی میں علماء کرام اور دینی جماعتوں کی کارکردگی اور ان کے نظام کار کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت نمایاں نظر آتی ہے کہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران تمام مکاتب فکر اور مسالک کے علماء وشیوخ کے مابین اتحاد واتفاق کی جو ایک شاندار مثال قائم ہوئی تھی اور آل مسلم پارٹیز نے وحدت اُمہ کی جو لائق صد تحسین مشعل روشن کی تھی وہ ایک سازش کے تحت بجھادی گئی اور فرقہ وارانہ کشمکش پیدا کر کے وحدت اُمہ پارہ پارہ کردی گئی ہے جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں، اور سب سے افسوسناک امر یہ کہ بعدازاں علماء کرام میں سے چند نامور شخصیات حکمرانوں اور سیاست دانوں کی سیاسی ضروریات پورا کرنے کی آلۂ کار بن گئیں اور یکے بعد دیگرے اسلامی اور دینی مقدس ناموں سے شغل محاذ سازی کا لامتناہی سلسلہ قائم ہوگیا تھا، چنانچہ مختلف حکمرانوں کے ادوار میں کبھی دینی محاذ کے نام سے کبھی متحدہ اسلامی محاذ کے عنوان سے کبھی نظام مصطفیٰ کے مقدس نام سے اور آخر میں متحدہ مجلس عمل کے نام سے دینی جماعتوں کا محاذ قائم ہوا ہے اور اس کے قیام پر بھی کئی برس گزر گئے ہیں؟ اس متحدہ مجلس عمل میں جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن گروپ)

جمیعت اہلحدیث، جمعیت علماء پاکستان (نورانی گروپ) جمیعت علماء اسلام (سمیع الحق گروپ) فقہ جعفریہ وغیرہ مذہبی جماعتوں کے نمائندے شامل ہیں۔

پاکستان کے صدر مملکت جنرل (ر) پرویز مشرف جب ریفرنڈم کے ذریعے صدر منتخب ہوگئے اور انہوں نے ایل ایف او کے تحت دستور میں ترامیم بھی کرلی تھیں تو متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارم سے چند برس تک صدارتی ریفرنڈم اور ایل ایف او کی ترامیم نامنظور نامنظور کے نعرے لگا کر یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ وہ نہ تو صدر کے ریفرنڈم کو مانتے ہیں اور نہ ہی "ایل ایف او" کی ترامیم کو۔ مگر بعد میں یکایک خضر حیات ٹوانہ کے دور حکومت کے تحت لگائے نعرے کے عین مطابق۔

تازہ خبر آئی اے...... خضر ساڈا بھائی اے

متحدہ مجلس عمل نے صدارتی ریفرنڈم بھی تسلیم کرلیا اور دستوری ترمیم بھی۔ اس طرح متحدہ مجلس عمل "ملاملٹری الائنس" کے نام سے پکاری گئی، اور مخالف جماعتوں کے رہنماؤں نے متحدہ مجلس عمل کو جنرل مشرف کی بی ٹیم قرار دیا تھا اور آج بھی اخبارات کے صفحات اس کے شاہد عادل ہیں کہ مجلس عمل کی مجموعی کارکردگی بھی دیگر سیاستدانوں کی چالبازیوں کی طرح ہے اور ہمارے مذہبی پیشواؤں اور دینی رہنماؤں کا رُخ کردار بھی ان سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔

اور ہمارے اسلاف نے تقدس، احترام و عظمت اور للّٰہیت کی جو امانت ہمارے سپرد کی تھی وہ منافع خوروں اور مفاد پرستوں نے قصہ ماضی اور یاد کہنہ قرار دے کر نسیاً منسیاً کردی ہے اور نوبت بایں جارسید کہ علماء کرام اور دینی جماعتیں ہدف طعن و تشنیع بن گئی ہیں۔ بایں ہمہ مجلس عمل کے رہنما اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ دینی جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم و دائم رہے گا، اور مذہبی جماعتیں بدستور اپنا کام کرتی رہیں گی!

سوال یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں اور آج کے دینی پیشواؤں کا وہ کیا کام ہے جسے بروئے کار لا کر وہ اسلام کی کوئی خدمت انجام دینے کی سعادت پائیں گی۔ جبکہ گزشتہ پانچ برس کے دوران اس مجلس عمل کے سامنے امریکی اور اپنوں کی بمباری سے وزیرستان کے علاقے میں واقع دینی مدرسے اور ان کے طالب علم نیست و نابود ہوگئے، جامعہ حفصہ کی معصوم بچیاں اور بچے خاک و خون میں تڑپائے گئے جس المیے پر سوائے قاضی حسین احمد کی بیٹی اور جماعت اسلامی ہی کی چند خواتین کے علاوہ مجلس عمل کا کوئی بڑا رہنما بشمول قاضی حسین احمد یا مولانا فضل الرحمٰن وہاں نہیں پہنچا، جبکہ مولانا فضل الرحمٰن تو پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کے قائد کے درجے پر فائز تھے اور اگر جامعہ حفصہ کی بے گناہ طالبات پر حملہ سے قبل رکاوٹ بن جاتے تو یہ حادثہ والمیہ ہرگز رونما نہ ہوسکتا تھا، مگر افسوس کہ مجلس عمل کے ہر رہنما اور دینی پیشوا نے اسلامی نظام کے نفاذ سے غافل ہو کر یا پہلوتہی اختیار کر کے اپنی ساری توجہ اسمبلیوں کی رکنیت کا اعزازیہ وصول کرنے پر مرکوز رکھی اور اخباری کالم نگاروں نے ایم ایم اے کے اراکین اور ان کے قائد کی جانب سے اسمبلیوں سے مستعفی ہونے میں تاخیری حربے کو بقول ان کے خفیہ ڈیل یا سرکاری "بھتے" کی وصولی کے ساتھ منسلک کیا، اور آج بھی تمام حکومتی عہدیدار بار بار اور برملا اظہار کر رہے ہیں کہ مولانا فضل الرحمٰن حکومتی خفیہ ڈیل کا زبردست حصہ ہیں اور ذاتی و مالی منفعت اب ان کی زندگی کا لازمہ بن گیا ہے۔ وہ عام سیاست دانوں کی مانند ایک سیاست دان بن گئے ہیں۔ مجلس عمل کا وجود مقاصد کی خاطر نہیں مفادات کی تکمیل کے ذریعہ قرار پا گیا ہے۔ قارئین حضرات کو یاد ہوگا کہ جمیعت علماء اسلام کے رہنماؤں نے تو جماعت اسلامی پر تنقید کو دیگر تمام دینی امور سے بھی زیادہ اہمیت دے رکھی تھی۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تلخی مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحبان کے بیانات میں ہوتی تھی، خصوصاً مفتی محمود صاحب جن دونوں پیپلز پارٹی کے زبردست موید اور حمایتی گردانے جاتے تھے۔ انہوں نے تو جمیعت علماء اسلام کی جانب سے ایک سپاسنامے کے جواب میں پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی کا موازنہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا تھا کہ

"پیپلز پارٹی دین سے ناواقف ہے اور جماعت اسلامی دین کی تحریف کرنے والی جماعت ہے، اس لئے جماعت اسلامی کی بہ نسبت پیپلز پارٹی بہتر ہے۔"

(ترجمان اسلام، لاہور)

بعد ازاں جب مفتی صاحب کو قومی اتحاد کا رہنما چن لیا گیا تو اسی جماعت اسلامی کی بابت سابقہ پالیسی تبدیل ہوگئی اور مفتی صاحب کی وفات کے بعد مولانا فضل الرحمٰن بھی پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں "عزیزہ بے نظیر بھٹو" کی زیر قیادت وزارت خارجہ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے۔ کہ سلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری۔" اور کسے کہتے ہیں؟

سوال یہ ہے کہ دینی و مذہبی قیادت آخر کس مقصد کی خاطر بروئے عمل آئی ہے؟ خصوصاً پاکستانی مذہبی قیادت مستحکم اور ناقابل تنسیخ نظریات قوم کے سامنے کیوں نہیں پیش کرتی؟ اس سے تو سرحدی گاندھی عبدالغفار خان کس قدر پختہ کار اور مستحکم نظریات کا حامل تھا کہ اسے قائداعظمؒ نے پارلیمنٹ کا ممبر بنایا، اس کی پاکستان مخالف روش نظر انداز کر کے آزادی عطا کی مگر اس کے پختہ عزائم اور مستحکم ضد ملاحظہ کیجئے کہ مرتے دم اس نے وصیت کی کہ مجھے پاکستان میں نہیں افغانستان میں دفن کیا جائے۔ اس ملک میں تو میری قبر بھی نہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ حسب وصیت انہیں کابل میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔ یہ مثال اس لئے پیش کی ہے کہ جو شخص دین اسلام کی خاطر نہیں بلکہ مادی سیاست پر یقین رکھتا تھا وہ مادیات میں پختہ کار تھا، مگر یہاں دین اسلام کی سربلندی اور اسلامی نظام کے نفاذ کا دم بھرنے والے اپنے پاکیزہ مقاصد سے منحرف اور غافل ہو کر محض اسمبلیوں کی رکنیت اور سرکاری بھتے کی خاطر شب و روز ایک کر دینے کو ہی دین و مذہب قرار دے رہے ہیں۔ مختلف ناموں سے دینی و اسلامی محاذ قائم کر کے قوم کا وقت اور سرمایہ برباد کرنے والے اپنی پوزیشن واضح کریں کہ پانچ سال کے عرصے میں مجلس عمل نے اسلامی نظریات کے تحفظ، اسلامی معاشرت اور نظام کے نفاذ کی خاطر کیا کیا اقدامات کئے اور 1953ء میں علماء کرام کے مرتب کردہ 22 اسلامی دفعات پر عمل درآمد کے لئے اس نے کیا کچھ کیا ہے؟ "چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر" کے تحت مجلس عمل کے رہنماؤں کو ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس پر سوچنا چاہیے۔ یہ سوال صرف جماعت اسلامی اور جمیعت علماء اسلام کے رہنماؤں سے ہی نہیں ہے؟ جمیعت اہلحدیث، جمیعت علماء پاکستان اور شیعہ حضرات سب کو قوم کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا کہ پانچ سال وہ ایک دوسرے پر الزام تراشی بھی کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں اور پھر بھی خوش فہم ہیں کہ مجلس عمل کا وجود باقی رہے گا، کس مقصد کی خاطر اور کس طرح؟

کیا وہ اس ناگفتہ بہ صورت حال پر غور نہیں کرتے کہ معاشرے سے مذہبی گرفت کیوں ڈھیلی پڑ گئی ہے؟ علماء کرام کا تقدس صرف اس لئے مجروح ہو رہا ہے کہ سیاسیات میں حصہ لینے والی دینی جماعتیں اپنے صحیح موقف سے پھر گئیں اور منحرف ہو کر دنیاوی مفادات پر نگاہیں مرکوز کرنے لگی ہیں، ان جماعتوں نے کبھی 1953ء کی مانند ملک بھر کے جید اور نامور علماء کرام، مشائخ عظام اور دینی جذبے و حمیت کے کارکنوں کو کبھی مشترکہ طور پر دعوت دے کر ملکی صورت حال کی بابت مشاورت نہیں کی ہے، ہر دینی جماعت اور تنظیم نے اپنے کارکنوں سے تو ضرور رابطہ قائم کیا ہوگا اور وہ بھی اپنی مرکزی شوریٰ کی حد تک اجتماعی صورت میں کبھی دینی جماعتوں کے کنونشن اور ہمہ گیر اجتماعات منعقد نہیں ہوئے حتیٰ کہ دینی مدارس کے مہتمم حضرات بھی اپنے مدارس کی تنظیم کے دائرے تک محدود ہیں۔ ان میں دینی و ملی اجتماعیت کا فقدان ناقابل بیان ہے۔ کاش! یہ حضرات ٹھنڈے دل و دماغ سے حالات کی نازک صورت حال کا جائزہ لے کر اپنی روش اور طرز عمل پر نظر ثانی کی زحمت گوارا فرمالیں، تو ملت پر احسان ہوگا۔

تاریخ کی چارج شیٹ

محمد فہیم

جب صدر محترم جنرل (ر) پرویز مشرف نے افغان پالیسی پر یوٹرن لیا تھا اور امریکہ سے آنے والی ایک ہی فون کال پر مکمل سپر اندازی اختیار کی تھی تو اپنے اسی نہایت ہی متنازعہ فیصلہ پر قوم کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے انہوں نے جو بے جا جواز پیش کیے تھے، وہ کچھ یوں تھے۔ اس تعاون کے بدلے امریکہ مسئلہ کشمیر حل کرانے میں ہماری مدد کرے گا، اس اقدام سے ہمارے ایٹمی اثاثے محفوظ ہو جائیں گے، ہمیں اقتصادی میدان میں بڑے فوائد حاصل ہو سکیں گے۔

یہ تو اب پاکستان کے 16 کروڑ عوام خوب جان چکے ہیں کہ درج بالا تین ثمرات حاصل ہونا تو درکنار قوم کو لینے کے دینے پڑ رہے ہیں۔ مشرف صاحب کی پالیسیوں کے نتیجے میں آج پاکستان کے وجود کو خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ تباہی ایک خوفناک اژدھے کی طرح مُنہ کھولے کھڑی ہے۔ ہر درد دِل رکھنے والا پاکستانی آج خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اضطراب اور پریشانی کی اس کیفیت میں کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اور اب کیا ہوگا؟ صدر مشرف نے ذاتی اَنا اور ضد پر ملکی سالمیت اور قومی مفادات کو قربان کرنے کا پختہ تہیہ کر رکھا ہے۔ جو کچھ وہ کرتے آ رہے ہیں کوئی بھی صحیح الدماغ انسان اس کی تائید کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ اُن کی غلط پالیسیوں پر پوری قوم چیخ اُٹھی ہے۔ یہاں تک کہ افواج پاکستان کے وہ ریٹائرڈ جرنیل جو عمر کے آخری مراحل پر ہیں، اس تباہی کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے اور اپنے اس پیٹی بند کی غلط پالیسیوں پر اس کو متنبہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پرویز مشرف کی 1999ء میں آمد پر اس قوم نے اُن کو نہ صرف خوش آمدید کہا تھا بلکہ اُن کے ''ساتھ نکاتی'' ایجنڈے کے ساتھ بہت ساری توقعات وابستہ کی تھیں۔ یہاں میں اپنی ڈائری سے اُس وقت ریکارڈ کردہ تاثرات سے ایک جملہ پیش کرتا ہوں جو کچھ اس طرح ہے: ''12 اکتوبر بروز منگل بری افواج کے سربراہ جنرل پرویز مشرف نے ایک انتہائی ڈرامائی انداز میں شریف برادران کے خلاف اقدام کر کے حکومت سنبھال لی۔ اس کے ساتھ عوام کو ایک ریلیف ملا۔ عوام نے نئے حکمرانوں کے ساتھ بہت زیادہ توقعات وابستہ کی ہیں'' اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ سات نکاتی ایجنڈا تو سراب ہی ثابت ہوا، اُلٹا قوم کو جان کے لالے پڑ گئے۔ پاک سرزمین اور اس عظیم اسلامی ملک کی تباہی کے آثار دکھائی دیے جانے لگے ہیں۔

> یہ دھرتی ہم سب کی ہے۔ اسے ظلم کی نہیں، انصاف کی ضرورت ہے۔ اسے ڈنڈے کی نہیں علم کی ضرورت ہے۔ اسے نفرت کی نہیں، محبت کی ضرورت ہے، اسے فحاشی، عریانی کی نہیں حیا اور پردہ کی ضرورت ہے۔ اسے ڈکٹیٹر شپ کی نہیں، انصاف اور عدل کی ضرورت ہے۔

اگر ایک منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو اس تباہی کی ذمہ داری پرویز مشرف کی وہ غلط اندرونی اور بیرونی پالیسیاں ہیں جن پر وہ عمل پیرا ہیں۔ اُن کے تمام اقدامات کا اگر جائزہ لیا جائے تو وہ بیرونی مفادات کے عکاس اور بیرونی آقاؤں کے ڈکٹیشن پر مشتمل دکھائی دیتے ہیں۔ جو کچھ آج صاف نظر آ رہا ہے اس کی اگر چارج شیٹ مرتب کیا جائے تو وہ کچھ یوں بنتی ہے۔ اور میرے خیال میں مستقبل میں تاریخ کی چارج شیٹ کچھ اسی طرح مرتب ہوگی۔

1۔ نظریہ پاکستان کی بنیادوں پر کلہاڑی ماری گئی ہے۔

2۔ پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدیں خوفناک خطرات سے دوچار ہو چکی ہیں۔

3۔ پاکستان کے اندر نفرت کی فضا اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اب یہ ملک رنگین مقتل کا سا منظر پیش کرتا ہے۔

4۔ اس خوبصورت اور پُر امن سرزمین کو ''دہشت گردوں'' کی آماجگاہ بنا دیا گیا ہے۔

5۔ پاکستان کی محبوب فوج کو (جس کی راہ میں عوام الناس آنکھیں بچھاتے تھے) آج نفرت کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

6۔ پاکستانی عوام اور خصوصاً پاکستان کے قدرتی محافظ بازوئے شمشیر زن قبائلیوں کو جدید اسلحہ اور ہوائی جہازوں کی بمباری کا ایندھن بنایا گیا ہے۔ اور اِس بے رحم پالیسی کی وجہ سے ان محب وطن قبائلیوں کو اپنی ہی فوج کے خلاف اُبھارا گیا ہے۔

7۔ پاکستان کی ایک لاکھ فوج کو امریکی مفادات کی خاطر ڈیورنڈ لائن پر لگا کر نام نہاد دہشت گردی کے حوالہ سے خود دہشت گردی کا شکار بنا دیا گیا ہے۔

8۔ پاکستان کے اندر مدارس پر بمباری اور فاسفورس بم استعمال کر کے اس دھرتی کے معصوم بچوں اور بچیوں کو جلا کر امریکی آقاؤں سے ''شاباش'' کی تھپکی کے ساتھ ''Do More'' کے تحفے بھی ملتے رہے ہیں۔

9۔ پاکستان کے محب وطن شہریوں اور پُر امن مسلمانوں پر بش کے ایجاد کردہ ''Coined'' اصطلاحات یعنی ''طالبان'' ''اور القاعدہ'' کے لیبل لگا کر اُن کو تعذیب کا ایندھن بننے کے لئے ڈالروں کے بدلے خونخوار درندوں کے حوالے کرنے کے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

10۔ امریکہ کے ناجائز دباؤ کے تحت پاکستان کے عظیم قومی ہیرو اور محسن قوم جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو نظر بند کر کے احسان فراموشی اور محسن کشی کے گھناونے جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

11۔ ریٹائرڈ جنرل نے قانون کی دھجیاں اُڑا کر یونفارم میں ایک ایسی اسمبلی سے اپنے آپ کو منتخب کروایا جس کی مدت ختم ہونے والی تھی اور یہ انتخاب ملکی قانون کی رُو سے ناجائز اور غلط ہے۔

12۔ مشرف صاحب نے اعلیٰ عدلیہ کے خلاف وہ ناجائز اقدامات کیے جن سے ہٹلر اور مسولینی جیسے ڈکٹیٹر بھی شرما جائیں۔ صرف اپنی ذات کو قوم پر ٹھونسنے کی خاطر اُنھوں نے ایمرجنسی لگا کر ملک کے اعلیٰ ججوں کو نہ صرف غیر قانونی طور پر فارغ کیا بلکہ اُن کو گرفتار کر کے پس زندان ڈالنے کے نہایت ظالمانہ اقدام سے بھی گریز نہیں کیا۔ لہٰذا عملی طور پر اس ملک میں اب کوئی پرسان حال نہیں۔ خواہ وہ 12 مئی کا کراچی کا قتل عام ہو،

18 اکتوبر کا کراچی کا خونچکاں واقعہ ہو یا 27 دسمبر کا لیاقت باغ کا بدترین سانحہ ہو۔

13۔ ملکی حالات کو اس قدر مخدوش بنا دیا گیا ہے کہ کسی بھی شہری خصوصاً سیاستدانوں کی جان محفوظ نہیں ۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت ایک بہت ہی خونچکاں المیہ ہے۔مشرف کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے وفاق کی زنجیر کو نہایت سفاکی کے ساتھ توڑ دیا گیا ہے۔

14۔ مشرف کی ایما، اشارے اور اُن کی انانیت کی بنا پر وکلاء اور سول سوسائٹی کے خلاف ریاستی تشدد کو روا رکھا گیا ہے۔اعتزاز حسن، طارق محمود اور علی احمد کُرد جیسے محب وطن، اعلیٰ تعلیم یافتہ دانشور اور قوم کے عظیم سپوتوں کے ساتھ جو جبر، ظلم اور تشدد روا رکھا گیا ہے وہ کہاں کا انصاف ہے؟ یہ ملک فردِ واحد کی جاگیر نہیں، سولہ کروڑ عوام کا ہے۔

15۔ ہر منطق، دلیل اور پاکستانی عوام کے جائز اور قانونی مطالبے کے برعکس لوگوں پر ایسی حکمران حکومتیں مسلط کر دی گئی ہیں جو کہ سابق کرپٹ حکومت کا تسلسل ثابت ہو چکی ہیں، اور جن کے وزراء کی عظیم اکثریت (سوائے معدودے چند کے) ضمیر نام کے کسی چیز سے واقف نہیں۔حکومت کی کل مشنری اور ذرائع مخالف سیاسی پارٹیوں کے خلاف اور ق لیگ اور اس کی ہمنوا پارٹیوں کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔

16۔ عدلیہ پر شب خون مارنے کے ساتھ میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا کو اپنی شرائط پر پابند کر کے عوام کو اصل حقائق تک رسائی سے روکا گیا ہے۔حکومتی ذرائع ابلاغ، سرکاری پروپیگنڈا اور منظور نظر جاگیرداروں کے گروپ ق لیگ تک محدود کئے گئے ہیں۔

17۔ ایک عجیب قسم کا الیکشن کمیشن ہے جسے Pre pole rigging بالکل دکھائی نہیں دیتی، جبکہ تمام لوگ اس الیکشن کمیشن کی جانبداری کو بہ چشم سر دیکھ رہے ہیں۔

18۔ دُنیا کو جھوٹے اعداد و شمار کے ذریعے پاکستان کی اقتصادی ترقی کے حوالے سے بے وقوف بنانے کی وہی پالیسی جاری ہے جو ''اقتصادی ماہر'' شوکت عزیز کے دور میں چل رہی تھی۔ وہ ماہر تو رات کی تاریکی میں عازم مغرب ہوا جبکہ پاکستان پر اب بدحالی کے بھوت سوار ہیں۔ لوگ آٹے، گیس، بجلی، تیل اور دیگر ضروریات زندگی کے لئے ترس رہے ہیں ۔ لوئر کلاس، لوئر مڈل کلاس اور سفید کالر والے تو تباہی کے کنارے کھڑے ہیں جبکہ صدر صاحب اور اس کے حواریوں کو سب کچھ ٹھیک نظر آرہا ہے۔ کہتے ہیں ''روم جل رہا تھا اور نیرو بنسری بجا رہا تھا''

19۔ پاکستانی عوام اس حد تک اُکتا گئے ہیں کہ وہ کسی بھی صورت اب صدر مشرف اور اس کے حواریوں کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ۔ لہٰذا مشرف صاحب اپنی کالک دھونے کیلئے یورپ تشریف لے گئے تھے تا کہ وہاں اپنے آقاؤں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرسکیں۔ مگر بدقسمتی سے وہاں جو کچھ ہوا، وہ اب ہسٹری ہے۔

صدر محترم! آپ کے اقتدار کے دوران اسرائیل کو تسلیم کرنے کے اشارے ملے ہیں۔یکم ستمبر 2005ء کو آپ کے وزیر خارجہ کی اپنے اسرائیلی ہم منصب کے ساتھ ملاقات ریکارڈ پر ہے، اور اب یورپ کے تازہ دورہ کے دوران آپ کی اسرائیلی وزیر دفاع کے ساتھ ''اچانک'' اور پھر باضابطہ ملاقات قوم کو کیا پیغام دے رہی ہے

20۔ صدر محترم! آپ کے اقتدار کے دوران اسرائیل کو تسلیم کرنے کے اشارات ملے ہیں۔ یکم ستمبر 2005ء کو آپ کے وزیر خارجہ کی اپنے اسرائیلی ہم منصب کے ساتھ ملاقات ریکارڈ پر ہے۔اور یورپ کے تازہ دورہ کے دوران آپ کی اسرائیلی وزیر کے ساتھ ''اچانک'' اور پھر باضابطہ ملاقات قوم کو کیا پیغام دے رہی ہے؟ کیا آپ کو یاد نہیں کہ بابائے قوم محمد علی جناح نے اسرائیل کو مغربی ممالک کا ناجائز بچہ قرار دیا ہے اور وہ ایک ناجائز ریاست ہے جسے پاکستان جیسے ملک کے لئے جس کی بنیاد کلمۂ توحید پر ہے، کسی صورت تسلیم کرنا ناممکن ہے۔

جناب صدر! آپ کب تک آپ جھوٹ کے سہارے پر رہیں گے؟ کب تک آپ عوام الناس کی بھوک، قتل اور بربادی کا سامان کرتے رہیں گے؟ کب تک آپ عدلیہ کو بلڈوزر کر کے اس ملک سے عدل و انصاف کی نشانی مٹانے پر ڈٹے رہیں گے؟ کب تک آپ مغربی آقاؤں کے خاطر اپنے ملک اور قوم کے خلاف تشدد کرتے رہیں گے؟ کب تک آپ کی پالیسیاں اس پاک اور پُرامن سرزمین پر دہشت گردی کو جنم دیتی رہیں گی؟ کب تک آپ ان ق لیگیوں کے لئے جائز و ناجائز اور اُن کو دوبارہ برسرِاقتدار لانے کے لئے ہر اصول کو پامال کرنے کے مرتکب ہوتے رہیں گے؟ کب تک آپ اس ملک کی بربادی پر کمر باندھ کر اس عظیم نظریاتی ملک میں فحاشی اور عریانی کو تقویت دیتے رہیں گے؟ کب تک آپ چیف جسٹس آف پاکستان اور ان کے معصوم بچوں کو یرغمال رکھتے رہیں گے؟ کب تک آپ عدل کے ایوانوں کو اجاڑنے کے مرتکب ہوتے رہیں گے؟ اور صدر صاحب کب تک آخر کب تک آپ قوم اور اس فوج کو آپس میں لڑاتے رہیں گے؟ کیا اس سرزمین کا آپ پر کچھ بھی حق نہیں؟ کیا اس خاک پاک نے آپ کو اپنی آغوش کے پیار میں کوئی بخیلی کی ہے؟ کیا اس قوم کی وجہ سے آپ کو عزت کا مقام نہیں ملا؟ پھر آپ کیوں ان جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ خدا کا خوف کرو، اگر خدا سے ڈرتے نہیں تو کم از کم تاریخ کے تازیانے سے تو اپنے آپ کو بچاؤ۔ بہت کچھ ہو چکا، مزید اس مٹی میں سہارنے کی گنجائش نہیں۔اس قوم کا مزید امتحان نہ لیا جائے ۔ یہ دھرتی ہم سب کی ہے ۔اسے ظلم کی نہیں، انصاف کی ضرورت ہے ۔اسے ڈنڈے کی نہیں علم کی ضرورت ہے ۔ اسے خون کی نہیں پسینے کی ضرورت ہے۔ اسے نفرت کی نہیں، محبت کی ضرورت ہے اسے فحاشی، عریانی اور بدتمیزی کی نہیں حیا اور پردہ کی ضرورت ہے۔ اسے ڈکٹیٹرشپ کی نہیں، انصاف اور عدل کی ضرورت ہے۔

جناب صدر! بہت سے تجزیہ کار کہتے ہیں کہ آپ ڈیپریشن کا شکار ہو چکے ہیں اور یہ ڈیپریشن بہت ہی گہرا معلوم ہوتا ہے ۔اس کا ایک ہی علاج ہے کہ آپ پہلے اپنے رب سے اور پھر اس قوم سے معافی مانگ کر اپنے کئے پر پچھتائیں اور ایک طرف ہو کر اس قوم کو اپنی راہ سوچنے کا موقع فراہم کریں۔ یہ آپ کا اس ملک کے عوام ،نظریئے اور جغرافیہ پر احسان ہوگا ۔ خدارا! حقائق کو سمجھئے ۔خدانخواستہ اگر یہی صورت حال جاری رہی ۔ تو پھر ''ہماری'' داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی ہارون آباد حلقہ بہاولنگر کے رفیق حافظ وسیم کی والدہ بیمار ہے۔
قارئین ندائے خلافت سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

تنظیم اسلامی تیمرگرہ کے رفیق نصر اللہ جان کی اہلیہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔
اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقائے تنظیم اسلامی، قارئین اور احباب سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللھم اغفرلھا وارحمھا و ادخلھا فی رحمتک و حاسبھا حساباً یسیراً

ایک طرف حجاب، دوسری طرف بندوق

ترکی کی منتخب رُکن پارلیمنٹ مروی کاوکچی سے انٹرویو

سید قاسم محمود

مروی کاوکچی ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کی رُکن تھیں۔ اُن کی کہانی سے دنیا ہل گئی تھی۔ وہ 1999ء میں اسمبلی کی رُکن منتخب ہوئیں اور اپنے حجاب کی وجہ سے زبردست اختلافی شخصیت بن گئیں۔ 2 مئی 1999ء کو انہیں اسمبلی میں حلف اٹھانے سے اس لیے روک دیا گیا کہ وہ اپنا سر اسکارف سے ڈھکے ہوئے تھیں۔ اُنہیں خودکش بمبار اور اُن کی پارٹی ''فضیلت'' کو ایسی خوں آشام بلا کہا گیا جو ترکی کی جمہوری روایات پر حملہ آور ہے۔ اُنہیں نہ صرف اسمبلی کی رُکنیت کا حلف اُٹھانے نہیں دیا گیا، بلکہ اُن کی تُرک شہریت بھی منسوخ کر دی گئی۔ پھر وہ شمالی امریکا چلی گئیں اور وہاں مختلف موضوعات پر لیکچر دیے۔ ٹورنٹو (کینیڈا) کے ٹی وی شو ''مفاداتِ عربیہ'' کی شریک میزبان نے اُن سے انٹرویو کیا، جو بعدازاں ''امپیکٹ'' لندن میں چھپا۔ یہاں اس کا اُردو ترجمہ حاضر ہے۔

س: اسمبلی میں جب پہلی مرتبہ آپ حجاب میں تشریف لائیں تو آپ کے ذہن میں کیا تھا؟

ج: جمہوریہ کی 76 سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ حجاب پہننے والی کوئی خاتون اسمبلی کی رُکن منتخب ہوئی تھی (نسرین اینلی بھی تھیں، مگر انہوں نے مجبور ہو کر حجاب اتار دیا تھا)۔ چونکہ میں پہلی ایسی خاتون تھی، اس لیے معاملہ اور بھی سخت تھا، حالانکہ میں ترکی کی اُن 70 فیصد خواتین کی نمائندہ تھی، جو حجاب پہنتی ہیں۔ لیکن اشرافیہ کی ایک چھوٹی سی اقلیت موجود ہے جو طویل عرصے سے ملک پر حکومت کر رہی ہے۔ یہ اتنے مہذب، وسیع الظرف اور جمہوری نہیں ہیں کہ اُن لوگوں کا احترام کریں، جو اِن کی طرح کے کپڑے نہیں پہنتے یا اِن کی طرح نہیں سوچتے۔ ان لوگوں سے مخالفت کی توقع تو تھی، مگر یہ گمان نہیں تھا کہ یہ اس قدر غیر مہذب اور ظالم ہوں گے۔

س: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ بحیثیت خاتون بھی آپ کے عمل نے اس سلوک میں کوئی رول ادا کیا، جو ان لامذہب لوگوں نے آپ کے ساتھ روا رکھا؟

ج: جی ہاں، میرا خیال ہے کہ نہ صرف مذہبی معاملے کی وجہ سے مجھے الگ تھلگ کیا گیا، بلکہ ایسا اِس لیے بھی ہوا کہ میں ایک عورت ہوں۔ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ نام نہاد لامذہب، نام نہاد جمہوری خواتین ایک ساتھی خاتون کی مخالفت کر رہی تھیں۔ ترکی میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ امریکا میں برپا ہونے والی شہری حقوق کی تحریک کے مماثل ہے۔ ترکی کی وہ خواتین جو حجاب پہنتی اور کام بھی کرتی ہیں، ہرچند کہ وہ اکثریت میں ہیں، لیکن اُن کی حیثیت دراصل ترکی میں ''سیاہ فام'' لوگوں کی سی ہے۔

س: آپ کے خیال میں وہ اہم معاملات کیا ہیں، جن کی وجہ سے ترکی کے لامذہب (سیکولر) لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے؟

ج: اس کی کئی وجوہ ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ نام نہاد لامذہب روایات ہیں جو اتاترک کے زمانے سے اختیار کی گئی ہیں۔ اگرچہ بعد میں ان میں بہت سی تبدیلیاں بھی آ چکی ہیں، لیکن اِن روایات کی وجہ سے بنیادی انسانی حقوق اور آزادیٔ مذہب کے نئے مفہوم متعین ہو گئے ہیں۔ ترکی کے دستور کے مطابق مذہب ریاست کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا، لیکن ریاست کو مذہب کے ہر معاملے میں مداخلت کا اختیار حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اُسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ بچوں کو قرآن کیسے پڑھایا جائے۔ مثال کے طور پر گزشتہ سال پارلیمنٹ نے ایک قانون بنایا ہے کہ بارہ سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو گھر میں یا باہر کہیں بھی قرآن پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، اور یہ کہ صرف موسم گرما کی تعطیلات میں قرآن پڑھایا جا سکتا ہے، وہ بھی ہفتے میں صرف تین بار اور اس کا دورانیہ کسی طرح بھی تین گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ قانون سازوں کا حفظِ قرآن کے مدارس بند کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن کی تعلیم کو ابتدا ہی میں روک دیا جائے۔ اس قانون کا نفاذ پوری طاقت سے کیا جا رہا ہے۔

دوسرا عامل اسلام کے بارے میں کچھ لوگوں کے دماغوں کا یہ خبط ہے کہ ہم بھی سعودی عرب یا ایران کی طرح ہونے والے ہیں، اور یہ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہمارا معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہو رہا ہے، جو کسی ایک پلیٹ فارم پر یکجا ہونے سے منکر ہیں۔

ترکی میں پورا انظام، پورا معاشرہ ہی بدعنوان ہے۔ میں ان لوگوں کے نام نہیں لے سکتی جو بطورِ خاص اس صورتِ حال کے ذمہ دار ہیں، مگر یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس میں سرکاری افسر، پارلیمنٹ کے ارکان، فوجی افسر اور کم از کم پانچ تاجر، جو ترکی میں اخباری گروپوں کے مالکان ہیں، شامل ہیں۔ جب اشرافیہ کے اِس چھوٹے سے ٹولے نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے اس غیر مہذب اور بدعنوان نظام کو خطرہ ہے، جس میں ٹیکس دہندگان کا پیسہ بڑی آسانی سے اُن کی جیبوں میں آ جاتا ہے تو انہوں نے مزاحمت کا فیصلہ کیا۔

جو لوگ اسلام میں حجاب کی مخالفت کرتے ہیں، ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کروڑوں کے غبن میں ملوث ہیں۔ برآمدی معاملات میں حکومت کو دھوکا دیتے ہیں اور یوں ترک عوام کا پیسہ بٹور کر امریکا اور سوئٹزرلینڈ میں جمع کرتے ہیں۔ اگر کوئی سرکاری اہل کار اپنے افسر کی نگاہوں میں معتبر ہونا چاہتا ہے، ترقی چاہتا ہے تو اسلام کو بُرا کہنے لگتا ہے۔ ایسے ہی (باقی صفحہ 10)

> **ترک پارلیمنٹ نے ایک قانون بنایا کہ بارہ سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو گھر میں یا باہر کہیں بھی قرآن پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، اور یہ کہ صرف موسم گرما کی تعطیلات میں قرآن پڑھایا جا سکتا ہے**

مسلمان عورت کی خصوصیات

سورۃ الاحزاب کی روشنی میں

قاری محمد یحییٰ عبدالغفار

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، نسخہ شفاء ہے۔ اس پر عمل کرنا دنیوی واخروی فلاح کا ذریعہ ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت کے خصوصیات کی بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

سورۃ الاحزاب (کی آیات 31 تا 35) میں ایک مسلمان عورت کے درج ذیل اوصاف بیان کیئے گئے ہیں:

1۔ صاحب اسلام اور ایمان ہو: ایمان اور اسلام پورے دین کی جامع تعبیر ہے۔ ایمان دین کا باطن ہے، اسلام اس کا ظاہر ہے اور یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں۔

2۔ فرمان بردار ہو: اللہ اور رسول ﷺ کی ایسی فرمانبرداری کرے جو دل کی پوری یکسوئی، پوری نیاز مندی اور کامل اخلاص کے ساتھ ہو۔

3۔ راست گفتار ہو: عورت کے قول، فعل اور ارادہ تینوں میں صداقت ہو۔

4۔ صبر کرنے والی ہو: ہر خوف اور طمع کے مقابل حق پر ڈٹی رہے اور ہر حال میں رب سے راضی اور مطمئن ہو اور اسی کردار پر درحقیقت تمام دین قائم ہے۔

5۔ خدا ترس ہو: عجز اور خاکساری کا نمونہ ہو اور یہ چیز اللہ کی ہیبت اور اس کی عظمت وجلال کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے اور یہ صفت خلق کے لئے اس کو مہربان اور حلیم بناتی ہے۔

6۔ صدقہ وخیرات کرنے والی ہو: مسلمان خاتون اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضروریات میں ایثار کر کے اپنے مال کو دوسروں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرتی ہے تو اس سے اس کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ چیز درجہ بدرجہ اس کے ایمان کو پختہ اور استوار کرتی جاتی ہے۔

7۔ روزہ دار: انسان کے تمام کردار کی بنیاد صبر پر ہے اور روزہ صبر کی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

8۔ باحیا اور باعفت ہو: عفت ضبط نفس کا ثمرہ ہے۔ معاشرے میں خرابی پیدا کرنے کا سب سے زیادہ زور اثر نسخہ شیطان کے ہاتھ میں یہی ہے کہ وہ اپنے پروپیگنڈے کے ذریعے سے عورتوں اور مردوں کے اندر عفت کے احساس کو مردہ کر دیتا ہے۔

9۔ اللہ کا ذکر کرنے والی ہو: سارے دین کی محافظ درحقیقت اللہ کی یاد ہی ہے اور نماز اللہ کے ذکر ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس کے علاوہ اذکار مسنونہ کا اہتمام کرے۔

10۔ اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ کسی مومن اور مومنہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے اس میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے سرتابی کھلی گمراہی ہے۔

11۔ تقویٰ شعار ہو۔ مرد ہو یا عورت اللہ رب العزت کے نزدیک اس کا مرتبہ وشرف تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر عورت تقویٰ پر قائم رہے، تو یہ اس کی سرفرازی کا ذریعہ بنے گا۔

12۔ چبا کر بات نہ کرے: عورت کو چاہیے کہ نامحرم مرد کی بات کا جواب نرمی اور تواضع سے نہ دے، بلکہ صاف انداز اور سخت لہجے میں اِس طرح بات کہے کہ اگر وہ اپنے دل میں کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اس کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ یہاں اس کی دال گلنے والی نہیں۔

13۔ خانہ نشین ہو اور زینت کی نمائش نہ کرے: عورت زیب وزینت کی نمائش نہ کرے۔ کفار اسلام کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ مسلمان عورت کے اندر زیب وزینت کی نمائش کا شوق ابھاریں تاکہ اس طرح مسلمانوں کا معاشرہ بے حیائی کی راہ پر چل پڑے۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں منافق عورتیں ازواج نبیؐ کے دلوں میں ارمان پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جس طرح ارمان ان کے اپنے دلوں میں تھے مثلاً کہتیں کہ اگر آپ لوگوں کو ان (محمدؐ) کی قید سے رہائی حاصل ہو جائے تو وقت کے بڑے بڑے سردار آپ لوگوں کو نکاح کے پیغام دیں گے اور آپ لوگ بھی اسی طرح بن ٹھن کر زیب و زینت کے ساتھ سیر سپاٹے کے لئے نکلا کریں گی جس طرح امراء کی بیگمات نکلا کرتی ہیں۔ قرآن مجید نے منافقات کی انہی پس پردہ وسوسہ اندازیوں اور بدآموزیوں کی طرف تلمیح کرتے ہوئے ازواج مطہرات کو یہ تلقین فرمائی کہ تم اپنے گھروں میں ٹک کے بیٹھی رہو، زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنی زینتوں کی نمائش کرتی نہ پھرو۔ ظاہر ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ اُس کو اپنی سرگرمیاں اس کے اندر ہی محدود رکھنی چاہئیں اور اگر کبھی اس کو گھر کی حدود سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت پیش آئے تو پردے میں نکلے۔ عورتوں کا بناؤ سنگار کر کے بے پردہ گھروں سے باہر نکلنا تہذیب کی نشانی نہیں ہے بلکہ یہ جاہلیت اولیٰ کی طرف رجعت ہے۔

14۔ نماز کی پابند ہو: مسلمان عورت نماز کی پابند ہو کہ نماز ہی دین کا ستون ہے اور اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

15۔ زکوٰۃ کی پابند ہو: اگر صاحب نصاب ہے تو چاہیے کہ زکوٰۃ ادا کرے۔

16۔ کتاب وسنت کی تعلیمات سیکھنے والی ہو: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو اور یہ اطمینان رکھو کہ اگر تمہاری ڈیوٹی گھروں کے اندر سے متعلق ہے تو تمہاری کوئی خدمت تمہارے رب سے مخفی (پوشیدہ) نہیں رہے گی۔ خدا بڑا ہی باریک بین اور بڑا ہی خبر رکھنے والا ہے۔ وہ تمہارے ہر عمل اور تمہاری ہر ضرورت سے اچھی طرح باخبر ہے۔ تم اس کے بھروسہ پر اپنا فرض انجام دو۔ اللہ تمہاری ضرورت کا خود کفیل ہے۔

17۔ پردہ دار ہو: اسی سورہ کی آیت 59 میں پردہ کا حکم دیا گیا۔ مسلمان خواتین کو یہ ہدایت کر دی گی کہ جب انہیں کسی ضرورت سے گھروں سے باہر جانا پڑے تو وہ اپنی بڑی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر لٹکا لیا کریں۔ اس طرح ان کے اور دوسری غیر مسلم عورتوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا اور کسی کو ان سے تعرض کے لئے بہانہ ہاتھ نہیں آئے گا۔

زمانہ جاہلیت میں بیگمات ہی نہیں، بلکہ شرفاء کے خاندانوں کی بہوئیں بیٹیاں بھی باہر نکلنے کی صورت میں اپنی اوڑھنیوں کے اوپر جلباب (چادر) ڈالا کرتی تھیں۔ قرآن نے اس جلباب (چادر) سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور انہیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی جلباب ہے جو ہمارے دیہاتوں کی خواتین میں اب بھی رائج ہے اور فیشن کی ترقی سے اِسی نے اب برقع کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس برقعہ کو اس زمانے کے دلدادگان تہذیب (کلچر) اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں، لیکن قرآن مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے۔

اپنی سرزمین کا دفاع

ایاز امیر

ایسا نہیں کہ صرف ہمیں یقین ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ ساڑھے آٹھ سالوں کے دوران ہم نے قومی تعمیر نو بیورو کے ذریعے کم وبیش ہر معاملے کو پراگندہ کر دیا ہے اور این آر بی گویا غیر ضروری اور بے فائدہ قسم کے آئیڈیاز کی یادگار کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ لیکن اگر پاکستان کی ازسر نو تعمیر کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ سب نامعقولیات منظر سے ہٹا دیں، جس نے جمہوریہ پاکستان کو گھن اور گہن لگا رکھا ہے، لیکن اس امید کے ساتھ کہ یہ نامعقولیات ہمیشہ کے لئے ہٹائی جا چکی ہیں۔

لیکن یہاں سوال اٹھتا ہے کہ کیا کسی ایک فرد کے پاس بھی اس سلسلے میں کوئی ٹھوس منصوبہ موجود ہے یا پھر یہ قوم گم شدہ ارواح کا مجموعہ ہے جس کو صرف Cliches کی خوراک پر زندہ رہنا ہے؟ جس کو دیکھو، منہ اٹھا کر پاکستان کو سیدھا کرنے یا درست کرنے پر کمربستہ نظر آتا ہے، ہر کسی کو اس کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی ہے، لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ کسی کو ہلکا سا بھی اندازہ یا آئیڈیا نہیں کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے۔ اس میں حیرت چہ معنی دارد کہ ہمیں ٹھوس آئیڈیاز یا تصورات کی بجائے خالی خولی زبانی جمع خرچ ہی ملتا ہے، اور یہ گفتاری غازی پن تو گویا پورے کرۂ ارض پر محیط ہے۔

جنرل پرویز مشرف بھی اپنے سات نکاتی ایجنڈے کے ساتھ آئے تھے۔ یہ ایجنڈا انتہائی عجلت میں کراچی (کور ہیڈ کوارٹر) میں تیار کیا گیا تھا اور یہ اسی شام کا ذکر ہے جس شام کو ان کے فوجی دستوں نے نواز شریف کو اقتدار سے ہٹا دیا تھا۔ اس انقلابی ایجنڈے کے حوالے سے کچھ نہ ہی کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ پاکستان آج اگر ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور اپنے گھٹنوں کے بل جھکا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس پورے دور کے دوران نااہلیوں کی بوئی ہوئی فصل کاٹ رہے ہیں۔ اب اگر دوبارہ کوئی سات نکاتی ایجنڈے کو مسلط کرنے کا خیال دل میں پال رہا ہو تو یقین مانیں کہ نصف قوم کے ہاتھ اپنے اپنے پستول کی طرف اٹھیں گے۔

ہمیں بالشویک پارٹی یا لینن کی پارٹی سے کوئی ہمدردی ہے اور نہ اس کے بنیادی نظریہ سے کوئی انس ہے، لیکن اچھا یا برا جو بھی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسی پارٹی نے بیسویں صدی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا اور اسی حوالے سے ہم اس کا ذکر کرنا چاہیں گے۔ بالشویک جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے یا دوسرے لفظوں میں ان کو اپنی منزل معلوم تھی، اس لئے جب انہوں نے اقتدار پر قبضہ کیا تو اکتوبر 1917ء میں سینٹ پیٹر برگ میں لینن جب Snolny انسٹیٹیوٹ میں پہلی مرتبہ عوام کے سامنے آئے تو

> ہر چند سال بعد ڈکٹیٹروں کو کسی نہ کسی سیاسی بیساکھی کی ضرورت ہوتی ہے اور اتفاق سے مسلم لیگ کی باقیات بھی ازسر نو پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ہمیشہ سے ہی یہ شہری اور دیہی ''شرفاء'' پر مبنی دور بین طبقہ اقتدار کی قربان گاہ پر ''بلی'' دینے کے لئے بے چین رہتا ہے

انہوں نے کوئی امید افزا تقریر نہیں کی اور نہ ہی کسی جذباتی پن کا شکار ہوئے۔ یاد رہے کہ Snolny Institute روسی دارالحکومت میں پارٹی کا ہیڈ کوارٹر تھا (جسے بعد میں ماسکو منتقل کر دیا گیا)۔ اپنی پہلی عوامی تقریر میں لینن نے انتہائی سادگی سے کہا تھا کہ ''اب ہمیں سوشلسٹ نظام حکومت کی بنیاد رکھنی ہے۔'' ان کی اسی تقریر اور انقلاب کے بعد کے حالات و واقعات کو امریکی صحافی جان ریڈ نے رپورٹنگ کے شہکار "Ten Days that Shook the World" میں ڈھال لیا۔

سو لینن کے الفاظ آپ نے پڑھ لئے، کل قصہ یہی تھا، کوئی شاعری یا لفاظی نہیں کی گئی اور نہ ہی کسی ہمہ رنگ و بلند آہنگ خطیب نے لفظوں کے طوطے مینا محو پرواز کئے جبکہ ہمارے برصغیر میں چلن و دستور یہی ہے اور اسی میں ہم ماہر و مشاق ہیں۔ لینن نے یہ سادہ سے الفاظ کہنے کے بعد احکامات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جو زمینوں کی تقسیم اور دیگر ضروری معاملات سے متعلق تھے۔

جب کبھی بھی پاکستان میں حکومت کی تبدیلی کا عمل دیکھنے میں آتا ہے تو وہ پہلا تحفہ جو ہمیں ملتا ہے، وہ ایک اچھی خاصی تگڑی قسم کی پریس کانفرنس ہوتی ہے جو مبہم الفاظ اور جھوٹے وعدوں سے بھری ہوتی ہے۔ اس کے بعد کنفیوژن اور بے مقصدی کا لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔ اس دوران بیوروکریسی مہاریں سنبھالنے پہنچ جاتی ہے، صرف اس غرض سے کہ معاملات کے موجودہ نظم کو ازسر نو ایجاد کر کے دکھا دے۔ معاملات و مسائل کی بنیاد پر کبھی ہاتھ نہیں ڈالا جاتا۔ اگر ہم خوش نصیب واقع ہوئے تو ہمیں ظاہری رنگ روغن کی تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے یا پھر جن معاملات پر زور دیا جاتا ہے، ان کا رخ بدل جاتا ہے۔ لیکن معاملات کا مادہ و مواد مایوس کن حد تک وہی رہتا ہے، جو ''سٹیٹس کو'' کی ایک اور جیت ہے۔

ہر چند سال بعد ڈکٹیٹروں کو کسی نہ کسی سیاسی بیساکھی کی ضرورت ہوتی ہے اور اتفاق سے مسلم لیگ کی باقیات بھی ازسر نو پیدا ہوتی رہتی ہیں، کبھی فیلڈ مارشل (خودساختہ) ایوب خان کے تحت کنونشن لیگ کی صورت میں اور کبھی قاف لیگ کی صورت میں جنرل مشرف کے زیر قیادت۔ ہمیشہ سے ہی یہ شہری اور دیہی ''شرفاء'' پر مبنی دور بین طبقہ اقتدار کی قربان گاہ پر ''بلی'' دینے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ انہیں اس سے غرض نہیں کہ کون اقتدار میں ہے۔ اسی کلاس نے برطانوی دور حکومت میں وفادار خوشامدی ٹولے کا منصب بحسن وخوبی نبھایا۔ تقسیم کے بعد یا یوں کہیے قیام پاکستان کے بعد یہاں کے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے قسم کے قائدین کو اس طبقے کی خدمات حاصل رہی ہیں۔

صرف ذوالفقار علی بھٹو میں ہی یہ ہمت رندانہ تھی کہ وہ اس ''سٹیٹس کو'' کو چیلنج کر سکیں لیکن خود انہیں بھی یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بہت خاک اڑائی، بہت تقاریر کیں، جو بہت دل افروز اور جذبات کو موجزن کرنے والی تھیں، اور ان سے قبل اس قسم کی باتیں کسی نے بھی نہیں کی تھیں۔ لیکن ان سب تقاریر کے باوجود مقتدر حلقوں کی ساخت وہی رہی جو تھی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اوور ہالنگ نہ ہو سکی، یہاں وہی پرانا نظام نافذ رہا۔ (جبکہ

مشرقی پاکستان میں شکست کے بعد اور آگ و خون میں بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد یہاں تبدیلی کی اشد ضرورت تھی۔)

بھٹو نے 1970ء کے انتخابات میں پنجاب کی دیہی اشرافیہ کو خوب ناکوں چنے چبوائے لیکن حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے بعد ازاں انہی شکست خوردہ عناصر کو پی پی پی میں جگہ دی، گو کہ انہیں اس کا خمیازہ بعد میں بھگتنا پڑا۔ یہ تو صاف سی بات ہے کہ موقع پرستوں کی اس جماعت نے اس وقت فوراً آنکھیں پھیر لیں جب بھٹو اقتدار میں نہ رہے۔ سب مادی چیزوں کو فنا ہے، سو جب مشرف دور پر بھی پردہ گر جائے گا تو وہ منظر دیکھنے سے تعلق رکھے گا جب قاف لیگ ہوا میں تحلیل ہو جائے گی اور تیزی سے تاریخ کے نہاں خانے میں گم جائے گی۔

سو اب بات کرتے ہیں، انتخابات کی، جن کے نتائج پر بہت سی چیزوں کا انحصار ہے؟ حسنی مبارک آئزیشن یا جمہوریت؟ ہمارے خیال میں موجودہ انتخابات میں اسی چیز کا فیصلہ ہونا ہے۔ اس فیصلے کا کافی سارا انحصار دو بڑی جماعتوں یعنی پی پی پی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) پر ہے۔ اگر یہ دونوں جماعتیں اپنا یکساں لائحہ عمل متعین نہیں کرتیں، اگر یہ جماعتیں نان و ماہی کی تقسیم میں پڑ گئیں تو پھر تو گویا ڈکٹیٹرشپ کے ہی وارے نیارے ہیں اور مزید سخت و کڑا وقت ہمارا منتظر ہے، اس سے بھی زیادہ کڑا اور سنگین وقت، جو اس وقت ہم گزار رہے ہیں۔

امریکی فرنٹ لائن اتحادی کی حیثیت سے ہمیں بھاری قیمت چکانی پڑ رہی ہے، جنوبی وزیرستان میں صورتحال روز بروز تشویشناک ہوتی جا رہی ہے، جو پاکستان اور اس کی فوج دونوں کے حق میں ٹھیک بات نہیں ہے۔ کیونکہ (اپنے غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر) ہم جس راہ پر چل پڑے ہیں، اس کا واحد نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ایک نہ ختم ہونے والی جنگ میں الجھ جائیں گے اور یہ ایسی جنگ ہے جو کہیں اور نہیں بلکہ ہم خود اپنی ہی سرزمین پر لڑ رہے ہیں۔ ہمیں اپنے عمل کی بیوقوفی پر دوبارہ غور کرنا چاہیے۔

بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جب عوامی بغاوت اپنے عروج پر تھی تو چند ہزار "جہادی" یا "مجاہدین" بھی اس قابل تھے کہ بھارت کی ہزاروں لاکھوں کی تعداد (ہمارے پاس واضح اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں) پر مشتمل فوج کو باندھ کے رکھ سکیں۔ اب ہم خود اپنے لئے بھی اسی قسم کا گڑھا کھود رہے ہیں، وزیرستان میں فوج کے کئی ڈویژن بندھے ہوئے ہیں۔

یہاں دو سوالات سر اٹھا رہے ہیں۔ کیا موجودہ انتخابات کے نتیجے میں اسلام آباد میں کوئی تبدیلی ممکن ہے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے تو یہ بہت بڑی تبدیلی ہے۔ اور اگر سوال کا جواب نفی میں ہے تو پھر انتخابات کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ اور کیا ان انتخابات کے نتیجے میں کوئی ایسی صورتحال سامنے آ سکتی ہے جس کے تحت ہم اپنے بیرونی آقاؤں اور سرپرستوں سے احکامات لینے کی خو ترک کر دیں اور اپنی مغربی سرحدوں کا خون بہانا بند کر دیں؟ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر یہ انتخابات کا گورکھ دھندا رچانے کی کیا ضرورت ہے؟

امریکیوں کے عزائم بہت سادہ سے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مشرف کے حمایت کنندگان کی تعداد میں اضافہ ہو اور بڑی سیاسی جماعتیں ان کی حمایت کریں تاکہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کو مزید تقویت اور قانونی جواز فراہم کیا جا سکے۔ اس حقیقت سے بھی کو آگاہی ہے کہ قاف لیگ ایک بوجھ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اور کوئی اس قدر بودا یا کوڑھ مغز نہیں ہے کہ وہ پرویز الٰہی کو پاکستان کے اگلے وزیراعظم کی حیثیت سے سنجیدگی سے سوچے۔ امریکی اس امر کے خواہاں ہیں کہ دیگر سیاسی کھلاڑی بھی مشرف کے ساتھ منسلک ہوں۔

چوہدری (شجاعت اور پرویز) اسی لئے دور دور ہیں اور اپنی بصارتوں کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ اگر وہ موجودہ سیاسی منظر نامہ سمجھنے سے قاصر ہیں تو پھر بتائیے بھلا ہمارے دوست مشاہد حسین (ان کے پراگندہ خیالات کے واضح و شفاف مترجم) کیا کر رہے ہیں؟ موصوف کو انہیں سیاسی حالات کی الف بے سے آگاہ کرنا چاہیے، فرنٹ فٹ پر شاٹ کھیلنے کی تجویز بعد میں پرویز کو دی جا سکتی ہے، یہ تجویز تو انہوں نے نواز شریف کو بھی دی تھی، جس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوئے۔

بیچارے پرویز الٰہی تو ہماری ہمدردی کے مستحق سیدھے سادھے انسان ہیں۔ گزشتہ دو سالوں سے وہ وقت اور پیسہ کی سرمایہ کاری (یقیناً وقت اور پیسے کی بہت بڑی سرمایہ کاری) صرف اس آس پر کر رہے ہیں کہ انہیں وزیراعظم بننے کی دھن سمائی ہے۔ اب دیکھئے، وہ خود اور ان کی جماعت بھی، کس قسم کے دلدل میں پھنس کر رہ گئی ہے۔

ہمیں مضبوط قائدین کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسی ذہین قیادت کی ضرورت ہے جو ہمیں بند گلی سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ جو ہمیں فرد واحد کی حکمرانی کی بجائے نمائندہ حکومت فراہم کرے اور ایسی قیادت جو امریکی دوستوں کے قہر و جبر کو دعوت دیئے بغیر انہیں یہ بتا سکے کہ کہاں ہمارے مفادات یکساں ہیں اور کہاں ہمارے راستے جدا جدا ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ نے پاکستان کی روح کو قید کر رکھا ہے اور گویا پاکستان ایک ایسے گڑھے میں گر گیا ہے، جہاں سے اسے نجات کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی۔ کمبوڈیا کی مثال پر غور فرمائیں، جو کسی وقت میں ایک ہنستی مسکراتی سرزمین تھی لیکن جب اسے ویت نام کے خلاف امریکی جنگ میں جھونک دیا گیا تو گویا اس کو بربادی کے راستے پر ڈال دیا گیا۔ لیکن اتنا دور جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ افغانستان کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے، یہ بھی ایک پرسکون سرزمین تھی لیکن اب باہر سے مسلط کردہ تنازعات کی وجہ سے تباہی و بربادی کا شکار ہے۔

ہمیں ایک چیز سے متعلق تو یقین ہونا ہی چاہیے۔ خود ساختہ رہنما، نام نہاد مقاصد کے کاغذی علمبردار اور بن بلائے نجات دہندگان کبھی بھی خود نہیں جاتے۔ سو وہ نوزائیدہ انڈسٹری جو مشرف سے گاہے بگاہے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہی ہے، اسے ٹک کے بیٹھ جانا چاہیے اور آرام کرنا چاہیے۔ چاہے کسی کا دل خون کے آنسو روئے، مشرف کو اس کی رتی بھر بھی پروا نہیں۔ ہاں انتخابات کے نتائج سے شاید وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور وہ بھی اس صورت میں، اگر ایک جمہوری اکثریت نئی قومی اسمبلی میں ابھر کر سامنے آتی ہے اور پی پی پی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) متحد ہو کر ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل متعین کریں۔

لیکن جناب من یہ سب کرنے کے لئے دونوں جماعتوں کو وہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے جس کا بدقسمتی سے ابھی تک انہوں نے کوئی مظاہرہ نہیں کیا، اور اگر اس کا مطالبہ کیا جائے تو گویا یہ ستارے زمین پر لانے والی بات ہو جائے گی۔

دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ نے پاکستان کی روح کو قید کر رکھا ہے اور گویا پاکستان ایک ایسے گڑھے میں گر گیا ہے، جہاں سے اسے نجات کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی

تنظیم اسلامی گوجرخان کے زیر اہتمام دعوتی وتربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی گوجرخان کے زیر اہتمام 20 جنوری 2008ء کو یومِ عاشورہ (10 محرم) کے حوالے سے مسجد العابد وارڈ 7 میں ایک دعوتی وتربیتی پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں 32 رفقاء کے علاوہ 17 احباب نے بھی شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز صبح سوا دس بجے عثمان فاروق کی تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ ذوالفقار احمد عباسی نے نظم ”مصائب میں نہ گھبرانا بھی مومن کی پہچان ہے“ بہت خوبصورت انداز میں پیش کی۔ قاضی عبد الرشید نے درسِ حدیث دیا۔ اگلا خطاب پروفیسر حافظ ندیم مجید کا تھا۔ اس کے بعد احمد بلال ایڈووکیٹ نے سورۃ البقرۃ کی آیات 153 سے 156 کے حوالے سے راہِ حق میں پیش آنے والی آزمائشوں پر گفتگو کی۔ ساجد حسین نے صحابیِ رسولؐ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تعلق ایک امیر گھرانہ سے تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کو سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا، مگر دینِ حق کی راہ میں آنے والے مصائب ومشکلات کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

آخر میں عثمان فاروق نے انفاق فی سبیل اللہ کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز سورۃ الصف کی آیات 10، 11 سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کوئی نہ کوئی صلاحیت ضرور عطا کی ہے۔ کسی کے پاس دولت کی فراوانی ہے تو کوئی علم وحکمت سے مالا مال ہے اور کوئی بیان کی صلاحیت رکھتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اُسے جو صلاحیت ملی ہے اُسے اللہ کی راہ میں کھپائے۔ پونے دو بجے پروگرام کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ احباب ورفقاء کی اس سعی کو قبول ومنظور فرمائے۔ (مرتب: زاہد بابر کمبوہ)

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے تحت دعوتی پروگرام

حلقہ سرحد شمالی تیمر گرہ سے دو ٹیمیں بغرض دعوت واڑی (دیر بالا) اور تھانہ (مالاکنڈ ایجنسی) بھیجی گئیں، جن میں پانچ پانچ افراد تھے۔ یہ سہ روزہ پروگرام 18 تا 20 جنوری کو ہوئے۔ اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بمقام واڑی

18 جنوری: اُس دن جمعہ تھا، لہٰذا مقامی رفقاء نے ایک مدرسے میں خطاب جمعہ رکھا تھا، اگرچہ مشورہ سے وہ بعداز جمعہ ہوا۔ ہمارے رفیق محترم فیض الرحمان نے ”اتحاد اُمت“ پر مفصل خطاب کیا۔ پروگرام میں تقریباً 150 افراد نے شرکت کی۔ یہاں لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ بعدازاں مدرسہ کے قاری لطیف اللہ سے نشست ہوئی، جس میں اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کی ہیت پر بات ہوئی، جس کے لئے مسنون بنیاد بیعت ہے۔

نمازِ عصر کے بعد بلال مسجد میں ”دین کے تقاضے“ کے موضوع پر جناب فیض الرحمان نے گفتگو کی۔ ممتاز بخت نے بعد نمازِ عصر مدرسہ مسجد میں اور بعد نمازِ مغرب مسجد حمید گل میں فرائضِ دینی کا جامع تصور بیان کیا۔ نمازِ عشاء کے بعد مسجد الطاف میں فیض الرحمان نے بندگیٔ رب پر سیر حاصل گفتگو کی۔

19 جنوری: نمازِ فجر کے بعد ممتاز بخت نے درسِ قرآن دیا۔ بعدازاں احباب کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ بعد نمازِ ظہر ممتاز بخت نے عبادتِ رب کے موضوع پر گفتگو کی۔ نمازِ عصر پمپ مسجد میں ادا کی گئی۔ ممتاز بخت نے سورۃ الحج پر درس دیا۔ بعد نمازِ مغرب نصیر مسجد میں فیض الرحمان نے ”بندگیٔ رب کے لئے پکار“ کے حوالے سے گفتگو کی۔

20 جنوری: مقامی رفقاء احسان اللہ اور خورشید احمد سے حلقہ قرآنی اور نظم کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ہوئی، جو ساڑھے آٹھ بجے تک جاری رہی۔

بمقام تھانہ مالاکنڈ ایجنسی میں بھی تین دن پروگرامات ہوئے۔ (ان پروگراموں کی رپورٹ قارئین گزشتہ شمارہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔)

واڑی میں ہمارے میزبان پرنسپل احسان اللہ اور خورشید احمد تھے، جبکہ تھانہ میں سید فضل ربی شاہ، شبیر محمد اور الطاف حسین نے میزبانی کی۔ اللہ تعالیٰ اِن رفقاء کو جزائے خیر دے اور اِن کے احباب کو بھی جنہوں نے پروگراموں میں شرکت کی۔ ان علاقوں میں پروگراموں کے دوران محسوس ہوا کہ لوگوں میں دین کی سچی تڑپ اور پیاس موجود ہے۔ صحیح رہنمائی اور طریقہ کار پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہمیں راہِ حق میں استقامت عطا فرمائے۔ (مرتب: احسان الودود)

بقیہ: اداریہ

تباہ وبرباد کر دیا ہے۔ گھریلو خواتین جھولی پھیلائے آسمان کی طرف التجا بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔ گیس اور بجلی کے بحران نے کارخانہ داروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ صدرِ محترم ارشاد فرما دیجئے وہ کون سا طبقہ ہے جس کے مخالف ہونے پر عدمِ مقبولیت کا سرٹیفکیٹ جاری کیا جا سکے گا۔ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ صدر صاحب کے یارِ غار امریکہ کی سروے ٹیمیں اپنے سروے کے نتائج کچھ یوں بتا رہی ہیں کہ 70 سے 80 فیصد تک لوگ صدر مشرف کو فوری طور پر صدارات سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ہم دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ 20 سے 30 فیصد وہ لوگ کہاں بستے ہیں جن پر صدر کی حمایت کا الزام ہے۔ بہرحال اگلے انتخابات میں کچھ یوں لگتا ہے کہ اصحاب ”ق“ کی حمایت نہ کی جائے گی کہ بہت بدنامی ہوگی اور دھاندلی کی بنیاد پر تحریک چل سکتی ہے۔ اگر ہم غلطی پر نہیں تو اب پیپلز پارٹی کو استعمال کیا جائے گا اور انتخابات میں اُن کی مدد کی جائے گی۔ وہ صاحب صدر کا سہارا بننے پر تیار ہو جائیں گے۔ چوہدری برادران کے بیانات سے بھی لگتا ہے کہ وہ بھی اب جرنیلی بوجھ برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ یوں بھی مشرف P.P.P اور M.Q.M کی مثلیث امریکہ کو بہت موزوں رہے گی۔ صدر ذی وقار نے اپنی مقبولیت کے حوالے سے جو بات کہی ہے، اُس پر سوائے اِس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے ؏ جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

رفقاء متوجہ ہوں

انشاءاللہ 24 رفروری 2008ء بروز اتوار نماز عصر سے

مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور میں

ہفت روزہ

مبتدی تربیت گاہ

کا آغاز ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت

برائے رابطہ: 0321-7061586 042-6316638-6366638

ترک اسلام پسندوں کی کامیابی

ترکی میں پارلیمنٹ نے یونیورسٹیوں میں اسکارف پہننے پر پابندی ختم کردی ہے۔ یہ نیا قانون حکمران جماعت جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی اور نیشنل ایکشن پارٹی نے مل کر پیش کیا تھا جسے 550 رکنی پارلیمنٹ میں 441 ووٹ ملے۔ قانون کی مخالفت میں 103 ووٹ پڑے۔ اب ترک لڑکیاں یونیورسٹیوں میں سر پر اسکارف پہن سکیں گی۔

سر پر اسکارف پہننے کی پابندی ترک فوج نے 1980ء میں لگائی تھی۔ تب اس نے برسر اقتدار جماعت کا تختہ الٹ کر اقتدار سنبھال لیا تھا۔ تاہم اس پر 1997ء کے بعد سختی سے عمل کیا جانے لگا جب فوج ہی نے اسلام پسند رہنما اربکان کو مستعفی ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ تب سے یہ پابندی سیکولر قوتوں کے لیے اہم ہتھیار بن گئی اور وہ اس کے ذریعے اسلام پسند خواتین کو یونیورسٹیوں سے بھی دور رکھنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس پابندی کے باعث ہزاروں لڑکیاں یونیورسٹی نہ جاسکیں۔ جنہیں علم کی بہت چاہ تھی، وہ وگوں کے نیچے اسکارف پہن کر یونیورسٹی جانے لگیں۔ لیکن جب اسلام پسند جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی برسر اقتدار آئی، تو وزیر اعظم طیب اردگان وقتاً فوقتاً اس پابندی کے خلاف اظہار خیال کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ پابندی انفرادی اور مذہبی آزادی کو قتل کردیتی ہے، لہٰذا اس کا برقرار رہنا بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ اس پر سیکولر قوتوں نے صدائے احتجاج بلند کی لیکن وہ اپنے موقف سے نہ ہٹے۔ دوسری طرف عوامی جائزوں سے یہ پتا چلا کہ ترکوں کی اکثریت یونیورسٹیوں میں ہیڈ اسکارف پہننے کی پابندی کا خاتمہ چاہتی ہے۔

پارلیمان میں بھاری تعداد میں ووٹ ملنے سے ظاہر ہے کہ ترکوں کی اکثریت اس پابندی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ یقین ہے کہ صدر عبداللہ گل یہ نیا قانون منظور کردیں گے تاکہ یہ آئین کا حصہ بن سکے۔ تاہم اس سے قبل پارلیمنٹ کو اعلیٰ تعلیم کے ایک قانون میں بھی ترمیم کرنا پڑے گی تاکہ یہ نیا قانون موثر ہوسکے۔

ترکی میں 99 فیصد مسلمان آباد ہیں اور دین اسلام کا تقاضا ہے کہ ایک مسلم عورت پردہ کرے۔ یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے مگر ترک سیکولر قوتوں نے صرف دین دشمنی کی خاطر وہاں کی مسلمان خواتین کو اس حق سے محروم کر رکھا ہے۔ اب یہ دیکھئے، کہ بھارت بھی سیکولر ملک ہے اور وہاں مسلمان اکثریت میں نہیں۔ لیکن وہاں کوئی بھی مسلمان عورت جب چاہے برقع پہن یا چادر اوڑھ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ مسلم تہذیب و ثقافت کے زیر اثر وہاں عزت دار ہندو گھرانے کی خواتین بھی اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں۔ یہ تو یہودی ذرائع ابلاغ نے برقع کو دہشت گردی کی علامت بنادیا ہے ورنہ صدیوں سے یہ شرافت و نجابت کا نشان چلا آرہا ہے۔

ایک سیکولر ملک کے کسی شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے، تو برہنہ گھوم سکتا ہے۔ مگر وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی مسلمان عورت کو پردہ نہ کرنے دے۔ یہ عمل ان بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوگا جن کے چیمپئن آج مغربی ممالک بنے بیٹھے ہیں۔ ترک سیکولر قوتوں کا دعویٰ ہے کہ پردہ انتہا پسند اسلام کی علامت ہے، مگر ہر مسلم عورت جانتی ہے کہ پردہ دراصل اس کا زیور ہے...... ایسا زیور جس کے بغیر وہ خصوصاً گھر سے باہر خود کو ادھورا سمجھتی ہے۔ یہ اس کا ہتھیار بھی ہے جس کی مدد سے وہ بدباطن اور خبیث مردوں کو اپنے آپ سے دور رکھتی ہے۔

اتاترک ذہنیت کی وارث اور حالیہ انتخابات میں بری طرح پٹنے والی سیاسی جماعت، ریپبلکن پیپلز پارٹی نے اعلان کیا ہے کہ آئینی عدالت میں اس نئے قانون کو چیلنج کرے گی۔ بہرحال سیکولر بلکہ اسلام دشمن مٹھی بھر ترک جرنیل، جج اور پروفیسر بھی عوامی خواہشات کے آگے بند نہیں باندھ سکتے۔

”آزادیٔ رائے“ کا بھانڈا پھوٹ گیا

مغربی ممالک خصوصاً امریکا، برطانیہ، جرمنی، فرانس وغیرہ اس بات کا بڑا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ ان کے ہاں انسان کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہے اور وہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے، مگر عملی طور پر صورت حال کیا ہے، اس کا مظاہرہ پچھلے دنوں برطانیہ میں دیکھنے کو ملا۔

برطانوی انگریزوں کی اکثریت مذہبی طور پر چرچ آف انگلینڈ سے وابستہ ہے۔ اس کا سربراہ آرچ بشپ آف کینٹربری کہلاتا ہے۔ پچھلے ہفتے رائل کورٹس آف جسٹس (لندن) میں لیکچر اور بی بی سی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے موجودہ آرچ بشپ آف کینٹربری نے کہا کہ اگر برطانوی قانون کے ساتھ ساتھ مخصوص حالات میں شریعت اسلامی کے چند قوانین اپنا لیے جائیں، تو اس طرح برطانیہ میں مقیم لاکھوں مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔

بشپ روان ولیمز نے یہ بات اس لیے بھی کہی تاکہ اسلام اور عیسائیت کے مابین مفاہمت ہوسکے مگر یہ کہہ کر وہ انگریزوں کے ”مجرم“ بن گئے۔ برطانوی ذرائع ابلاغ نے طوفان سر پر اٹھالیا اور بشپ کے خلاف تیز و تند تنقید ہونے لگی۔ عوامی جائزوں کے ذریعے مطالبہ کیا جانے لگا کہ بشپ فوراً مستعفی ہوجائیں۔ عیسائی علماء نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ”بشپ نے اپنے ریمارکس سے چرچ کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔“ القرض برطانوی عام و خاص عیسائی نے اپنے ایک عالم کو مسلمانوں اور اسلام کی اتنی سی حمایت کرتے دیکھا، تو برداشت، رواداری، آزادیٔ رائے وغیرہ کے ان کے ”بنیادی حقوق“ آناً فاناً ہوا میں تحلیل ہوگئے۔ دلائل کے بجائے جذبات کا سہارا لے کر کیا برطانوی عیسائیوں نے انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا؟ ان کی روشن خیالی اور تعلیم یافتہ ذہنیت کہاں اڑن چھو ہوگئی؟

کوسوو کی آزادی

اخباری اطلاعات کے مطابق سربیا کے خصوصی علاقے کوسوو کی حکومت 17 فروری کو اپنی آزادی کا اعلان کردے گی۔ کوسوو کے نو منتخب وزیر اعظم، ہاشم تقی کا دعویٰ ہے کہ انہیں 100 ممالک کی حمایت حاصل ہے۔ دوسری جانب سربیائی حکومت نے روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر حال میں اس اقدام کی مخالفت کرنے کا اعلان کیا ہے۔

شام نے 250 کلومیٹر تک مار کرنے والا میزائل تیار کرلیا

شام نے زمین سے زمین تک مار کرنے والا میزائل تیار کرلیا ہے، جو دو سو پچاس کلومیٹر تک اپنے ہدف کو کامیابی سے نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب صیہونی ریاست کے اہم ایئر پورٹس، بندرگاہیں اور حساس تنصیبات شام کے میزائل کی زد میں آگئی ہیں۔ یہ میزائل بھاری وارہیڈ لے جانے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے جو پہلے سے موجود میزائلوں سے زیادہ جدید ہے اور یہ کامیابی سے اپنے ہدف کو نشانہ بناسکتا ہے۔

حماس کے خلاف ایٹمی ہتھیار چلانے کی دھمکی

اسرائیلی ریزرو فوج کے سربراہ جنرل عودی شانی نے کہا کہ حماس کے خاتمے تک اسرائیل کو محفوظ نہیں سمجھا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ حماس کے خلاف آئندہ ممکنہ جنگ میں ایٹمی ہتھیار، بیلسٹک میزائل اور دیگر بھاری ہتھیار استعمال کیے جائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ اسرائیلی فوج حماس کے خلاف آخری کارروائی کرنے کے لیے بھرپور تیاری کررہی ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ فلسطین میں مجاہدین سے نمٹنا اسرائیلی فوج کے لیے کوئی آسان نہیں۔ جس کی واضح مثال 2006ء کی جنگ میں اسرائیلی فوج کی شکست ہے۔